بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ
(سورۃ الشعراء ۲۶، آیت ۲۲۷)
اور ظالموں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس
انجام کو پلٹ کر جائیں گے۔

نبیؐ کی نواسی

حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا

حدیثِ عشق دو باب است کربلا و دمشق
یکے حسینؑ رقم کرد و دیگرے زینبؑ
(علامہ اقبالؔ)

سیّد علی اکبر رضوی

کوائفِ کتاب

نام کتاب	:	نبی کی نواسی حضرت زینب سلام اللہ علیہا
مصنف	:	سید علی اکبر رضوی
کمپوزنگ	:	جاوداں پبلیکیشنز ۲۸۔ایچ، رضویہ سوسائٹی، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰ فون: ۶۶۸۵۹۷۵، فیکس: ۶۶۸۳۲۱۳ ای میل: husain_anjum@hotmail.com
طابع	:	اوکھائی پریس، کراچی
سنِ اشاعت	:	۲۰۰۴ء
قیمت	:	۲۰۰ روپے
تعداد	:	۱۵۰۰
ملنے کا پتہ	:	(۱) جاوداں پبلیکیشنز ۲۸۔ایچ، رضویہ سوسائٹی، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰ فون: ۶۶۸۵۹۷۵، فیکس: ۶۶۸۳۲۱۳ (۲) محفوظ بک ایجنسی امام بارگاہ شاہِ نجف، مارٹن روڈ، کراچی فون: ۴۱۲۴۲۸۶، ۴۹۱۷۸۲۳ (۳) خراسان بک سنٹر بریٹو روڈ، سولجر بازار، کراچی۔ فون: ۷۲۲۱۷۱۸

پیشکش

ادارۂ ترویجِ علومِ اسلامیہ، کراچی

ای میل: chairman@pcigroup.com.pk

مصنف نے زرِ تعاون کی تمام رقم بحق ادارۂ ترویجِ علومِ اسلامیہ کراچی کے نام وقف کر دی ہے اس لیے آپ کا تعاون اس ادارہ کے لیے باعثِ معاونت اور آپ کے لیے باعثِ ثواب ہوگا۔

فہرست

درود وسلام

اللہ تبارک و تعالیٰ کے نام سے ابتداء کرتا ہوں جو خالقِ کائنات ہے اور ربّ العالمین بھی۔ درود و سلام بھیجتا ہوں محمّد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور آلِ محمّد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر۔

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (سورۃ الاحزاب ۳۳، آیت ۵۶)

(یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں پیغمبرؐ پر۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور سلام جو حق ہے سلام بھیجنے کا)۔

جب یہ آیۂ مبارکہ نازل ہوئی تو متعدد اصحاب نے حضورؐ سے سوال کیا کہ آپؐ پر درود بھیجنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں حضورؐ نے درود کے جو الفاظ سکھائے وہ مندرجۂ ذیل ہیں:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

اے اللہ پاک! رحمت نازل فرما حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر اور آلِ محمّد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر جس طرح تو نے رحمت نازل کی حضرت ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ پر، بے شک تو ہر قسم کی تعریف کا مستحق اور بزرگ و بالاتر ہے اور برکت نازل فرما حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر اور آلِ محمّدؑ پر جیسے تو نے برکت نازل فرمائی ہے ابراہیمؑ اور آل ابراہیم پر، بے شک تو ہر قسم کی تعریف کا مستحق اور بزرگ و بالاتر ہے۔

درود و سلام کے بعد حمد، نعت، منقبت اور مناجات کے ساتھ

بندۂ عاجز حاضر خدمت ہے۔

حمد

ہر برگ سے قدرتِ احد پیدا ہے
ہرپھول سے صفتِ صمد پیدا ہے
سینہ ہے بشر کا وہ محیطِ ذخّار
ہر ایک نفس سے جزّر و مد پیدا ہے

گوہر کو صدف میں آبرو دیتا ہے
بندے کو بغیر جستجو دیتا ہے
انسان کو رِزق ، گُل کوبو ، سنگ کو لعل
جو کچھ دیتا ہے جس کو ، تُو دیتا ہے
(میرانیسؔ)

نعت

کیا قامتِ احمد نے ضیاء پائی ہے
چہرے میں عجب نور کی زیبائی ہے
مُصحف پہ نہ کیوں فخر ہو اس صورت کو
قرآن سے پہلے☆ یہ کتاب آئی ہے
(دبیرؔ)

☆ اول ما خلق اللہ نوری (حدیثِ قدسی)
سب سے پہلے اللہ نے میرے نورکو پیدا کیا ہے۔

منقبت

کیا قامتِ زہراؑ و علیؑ زیبا ہیں
ایمان کے گویا دو الف یکجا ہیں
ان دونوں کے فرزند ہیں گیارہ۱۱ معصوم
جیسے دو۲ الف سے یازدہ پیدا ہیں
(دبیرؔ)

حیدرؑ کی جان فاطمہؑ کے دل کا چین تھی
ہمشیر باوفائے شہِ مشرقین تھی
کیا ہو بیانِ فضل و شرف انتہا یہ ہے
بازارِ شام و کوفہ میں زینب حسینؑ تھی
(سیّد محمد علی جوہرؔ سرسوی)

مناجات

خدایا خدایا توئی آں حمید — کہ نا مد کسے ازدرت نا امّید
یا اللہ ، یا اللہ! تُو ہی وہ قابلِ ستائش ذات ہے کہ تیرے در سے کوئی محروم واپس نہیں ہوا

بہ بخشی اگر ایں گنہگار مرد — کہ ازبس ندامت رخِ اوست زرد
اگر تُو اس گنہگار آدمی کو بخش دے گا جس کا چہرہ ندامت سے زرد ہے۔

برو می شود نار دوزخ حرام — تقاضائے لطفِ تو گردد تمام
تو اس پر نارِ دوزخ حرام ہو جائے گی تیرے لطف کا تقاضا پورا ہو جائیگا (کیونکہ تُو موصوف بہ صفتِ لطیف ہے)

نہ تنہا تو آں بے چگونی بہ ذات   حریفے نداری ہم اندر صفات

تُو صرف اپنی ذات ہی میں بے مثل نہیں ہے بلکہ تُو اپنی صفات میں بھی کوئی مقابل نہیں رکھتا

چہ تسبیحت آید ازیں مشتِ خاک   بجز ایں کہ ہستی زہر عیب پاک

اس مشتِ خاک سے تیری کیا تسبیح ہوسکے گی سوائے اس کہ تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے

زمائی تو با ذاتِ خود گرچہ دور   بمائی تو نزدیک[1] زما بہ نور

اگرچہ تُو باعتبارِ ذات ہم سے دور ہے لیکن اپنے نورِعلم کے اعتبار سے ہماری اپنی ذات سے بھی ہم سے نزدیک تر ہے۔

ثنائے حبیبؐ

حبیبا! ثنائے تو گویم چساں   کہ بالا تراستی زِحدِ بیاں

اے محبوبؐ! میں آپ کی تعریف کیسے کرسکوں کہ آپؐ حدِ بیان سے بالاتر ہیں۔

بمدحِ تو باشد چو اثمار ذوق   بہ اثمار دارد دلِ خلق شوق

آپؐ کی تعریف میں میوے کی سی لذّت ہے اور میوہ جات کا ہر شخص شائق ہوتا ہے۔

ثنائے تو خواہد دلم ہر زماں   ملولست ازاں روز قاصر زباں

میرا دل ہر وقت آپؐ کی مدح و ثنا کرنا چاہتا ہے اور اس دن یہ دل بہت رنجیدہ ہوتا ہے جب (کسی وجہ سے) ایسا ممکن نہیں ہوتا[2]۔

توئی شمع در محفلِ اصفیاء   کہ بے تُست ہر محفلے بے ضیاء

آپؐ شمع محفل اہل صفاء ہیں کیونکہ آپؐ کے بغیر ہر محفل بے نور ہے۔

---

(۱) وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ
اور ہم رگِ گردن سے بھی زیادہ اُس (انسان) کے قریب ہیں۔
(سورۂ ق ۵۰، آیت ۱۶)

(۲) یعنی دل تو چاہتا ہے کہ زبان ہر وقت مدح حبیبؐ میں رہے لیکن چونکہ زبان اس سے قاصر ہے اس لئے دل زبان سے ناراض رہتا ہے۔

درودِ خدا باد بر جانِ تو   بر آل و برآں جملہ یارانِ تو

اللہ کا درود ہو آپؐ کی روح پاک پر اور آپؐ کے آل اور جملہ رفقاءؓ پر

چلاسیؔ ست سرگرم در عشقِ آل   چو در عشق سردارِ خوباںؐ بلالؓ

چلاسیؔ آلِ رسولؐ کے عشق میں سرگرم ہے جس طرح سردارِ خوباںؐ کے عشق میں بلالؓ سرگرم تھے۔

چو یاد آورم روزِ خونِ حسینؑ   شود پُشتم از رنج نُون حسینؑ

جب مجھے شہادت حسینؑ کا دن یاد آجاتا ہے تو میری کمر ٹوٹ کر لفظ حسین کے "ن" کی طرح بن جاتی ہے۔

برویم شود آب جوئے رواں   ترو تازہ گردد بہ آں آب جاں

اس دن کو یادکرکے میرے رخسار پر نہرِرواں ہوجاتی ہے اور اسی پانی سے میری روح ترو تازہ ہوتی ہے

نہ یم عاشقِ یک گلِ تازہ تر   کہ ہر یک گُلے راست رنگِ دگر

میں فقط ایک گل تازہ کا شیدائی نہیں ہوں (بلکہ سب کا عاشق ہوں) کہ ہرپھول کارنگ جدا جدا ہے۔

گرم درجناں بینی اے ذی شرف   بہ بینی زِ اعزازِ حُبِّ سلف

اے شریف آدمی اگر تو مجھے جنّت میں دیکھے گا تو سلف صالحین کی محبت کی وجہ سے دیکھے گا۔

رہِ عاصیاں سوئے آں باغ نیست   کہ آں بوستاں درخورِ زاغ نیست

ورنہ عاصیوں کا راستہ اس باغ کی طرف نہیں ہے کیونکہ وہ باغ زاغ و زغن کے لئے نہیں ہے۔

منم در جہاں چوں قلم رو سیاہ   بریزم قلم وار اشک از گناہ

میں دنیا میں قلم کی طرح روسیاہ ہوں اور ندامتِ گناہ سے قلم کی طرح آنسو بہاتا ہوں۔

اگر نامِ مالک نہ بودے غفور   زبس بیم من مردے بالضرور

اگر میرے مالک کا نام غفور یعنی بخشنے والا نہ ہوتا تو میں فرط خوف سے لازماً مر جاتا۔

تو اے طوطیٔ طبع من مرحبا! دل از وجہ تو شد چمن مرحبا!

اے میری طوطیٔ طبع مرحبا! تیری وجہ سے میرا دل باغ باغ ہو گیا مرحبا!

سخن گو کہ محفل خیاباں شود رُخِ ہمدماں ماہ تاباں شود

ہاں! سخن سرا ہو کہ محفل پھلواری بن جائے اور ہمدموں کے چہرے چاند کی طرح چمک اٹھیں

تو اے آنکہ گوئی بہ قرآن اُجیبُ☆ کنش مرجع خلق مثلِ زبیب

اے وہ ذات! جس نے قرآن میں اُجیبُ دعوت الداعی فرمایا ہے اس شخص کو کشمش کی طرح مرجع خلائق بنا دے۔

درِ تو زند تا ابد ایں سوال کنی مستجاب اے احدَ ایں سوال

میری یہ دعا تا ابد تیرا دروازہ کھٹکھٹائے گی اے خدائے واحد! میری یہ دعا قبول فرمالے

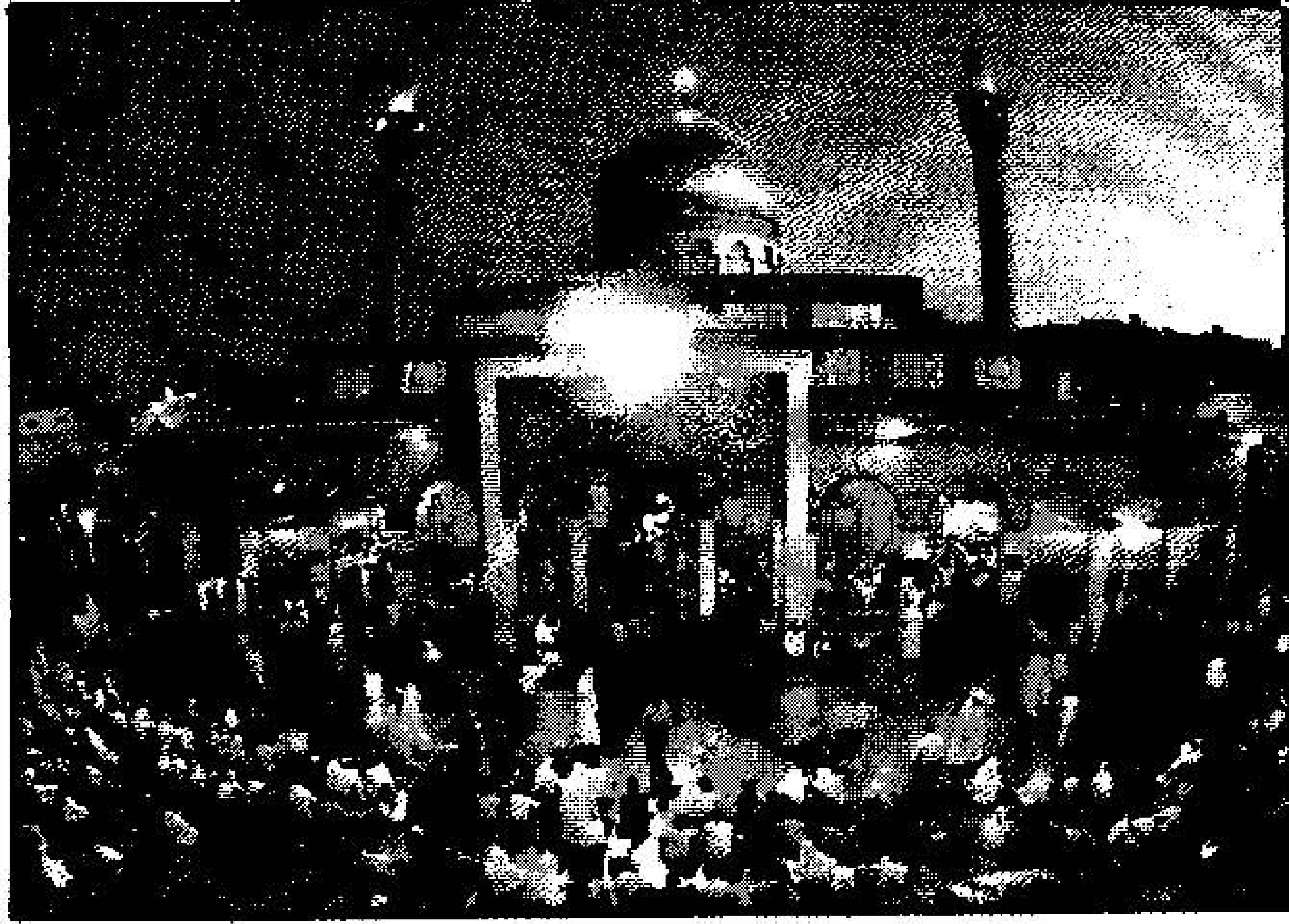
(غلام النصیر چلاسی)

☆اشارہ ہے قرآن مجید کی اس آیت کی طرف:

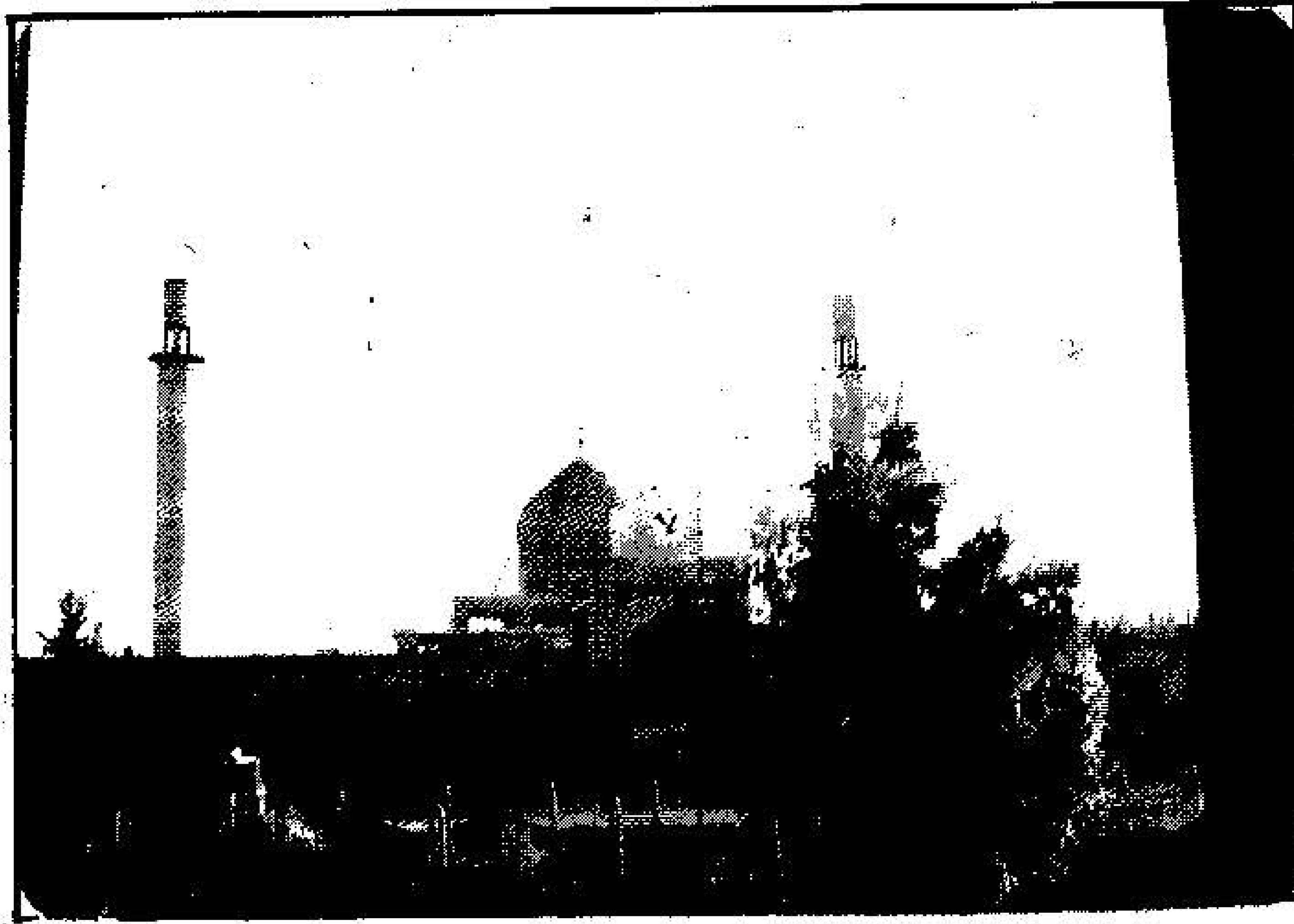
أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ......

پکارنے والے کی صدا پر لبیک کہتا ہوں

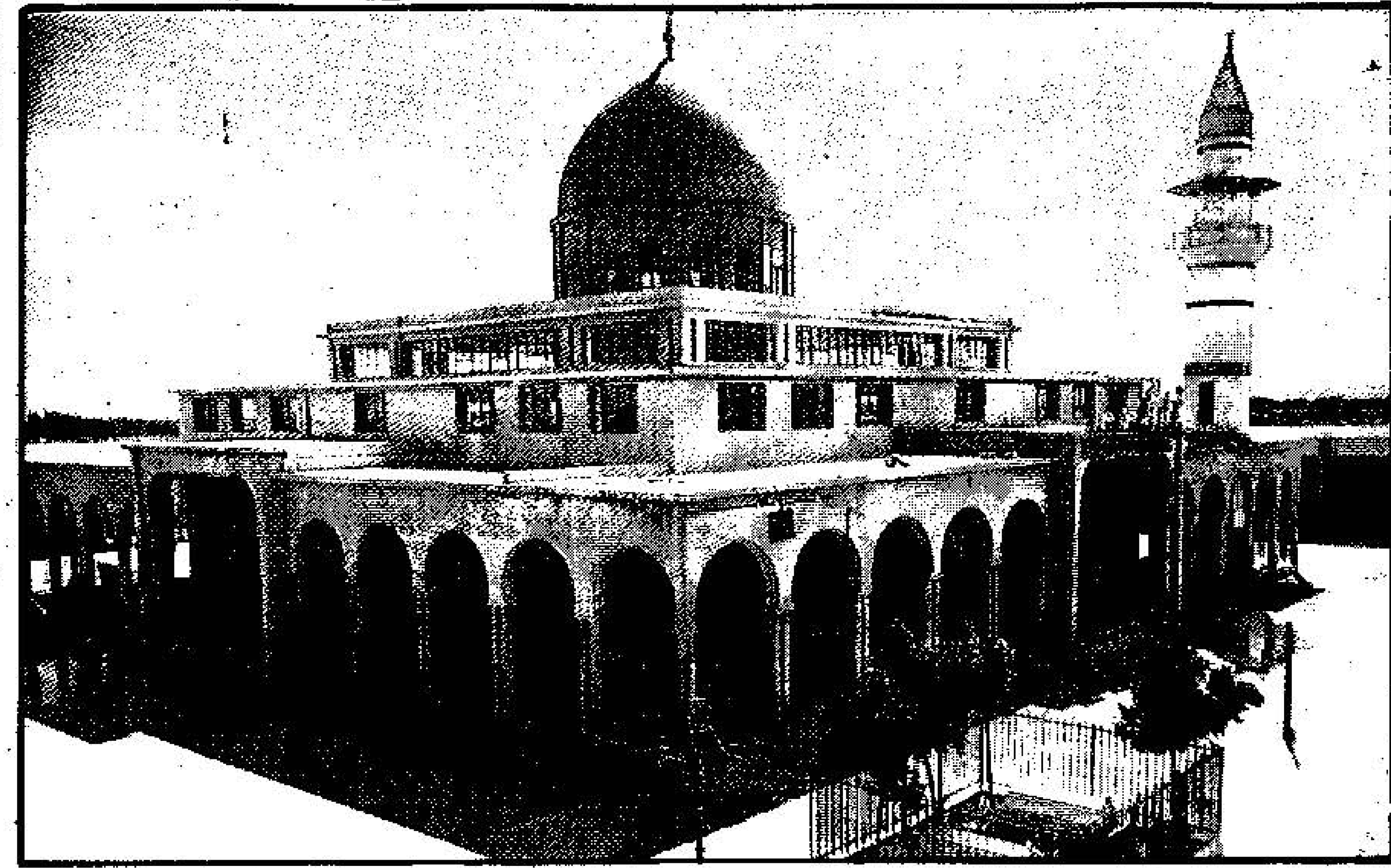
(سورۃ البقرۃ ۲، آیت ۱۸۶)



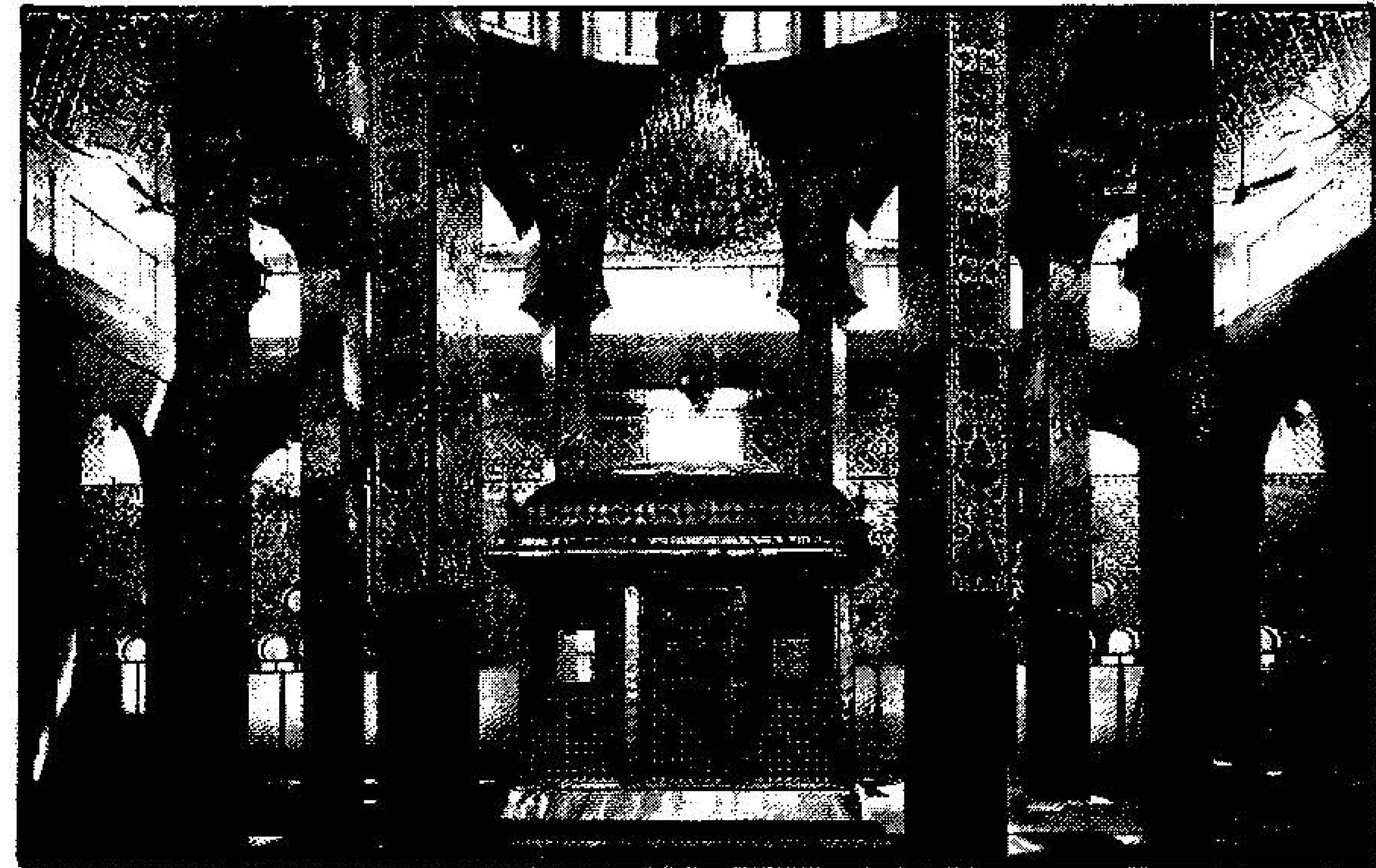
حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا کے روضہ کے احاطے میں زائرین کا اجتماع



حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا کے روضۂ مبارک کا بیرونی منظر



دمشق میں حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا کے نام سے منسوب مسجد ''مسجدِ زینب''



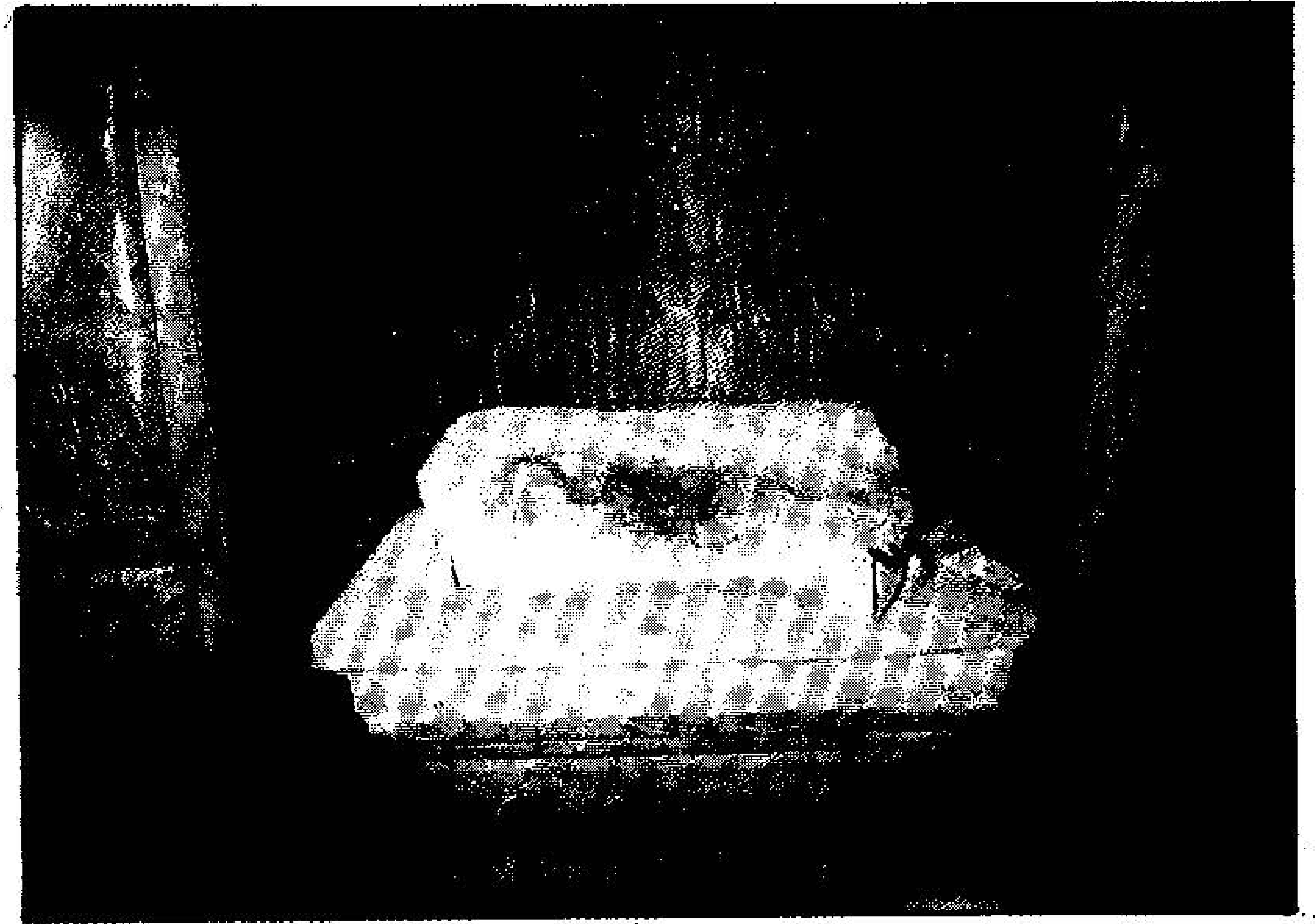
حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا کے مزار کی ضریحِ مبارک



ضریحِ مبارک کا ایک اور عکس



قیدخانہ کا وہ طاق جہاں امام حسینؑ کا سرِ مبارک رکھا گیا تھا



وہ خون آلود پتھر جس پر امام حسینؑ کا سرِ مبارک رکھا گیا تھا



امام حسینؑ کے سرِ مبارک کا مقامِ مقدس

انتساب

میں اپنی اس ناچیز لیکن پر خلوص کاوش کو بہ ہزار عجز و نیاز حضرت خاتم الانبیاء محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور جناب خدیجۃ الکبریٰ صلواۃ اللہ علیہا کی نواسی ، حضرت علی مرتضیٰؑ و خاتونِ جنّت حضرت فاطمۃ الزہرا صلواۃ اللہ علیہا کی باوقار بیٹی حضرت امام حسنؑ وحضرت امام حسینؑ سردارانِ جوانانِ جنّت کی ہمشیرۂ گرامی جناب عبداللہ کی زوجۂ محترمہ اور عون و محمّد شہیدانِ کربلا کی والدۂ گرامی جنابِ زینب صلواۃ اللہ علیہا کے نامِ نامی سے معنون کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں اور امیدوارِ قبولیت ہوں۔

عاصی پہ یہ التفات مشکل تو نہیں
لینا سندِ نجات مشکل تو نہیں
ناناسے کہیں میری شفاعت کے لئے
زینبؑ کے لئے یہ بات مشکل تونہیں

(سیدنصیرالدین نصیرؔ)

رحمتِ بے پناہ کے صدقے
اعتمادِ نجات باقی ہے

حضرتِ زینب صلوٰۃ اللہ علیہا

جہاں میں پیش بیٹی باپ کی تصویر کرتی ہے
بھرے بازار میں کوفے کے جب تقریر کرتی ہے

تنِ تنہا جہانِ ظلم کو تسخیر کرتی ہے
تری مظلومیت زینبؑ عجب تاثیر کرتی ہے

حسینؑ ابن علیؑ کے بعد بنتِ فاطمۃ زہراؑ
بندھے ہاتھوں سے قصرِ دینِ حق تعمیر کرتی ہے

رکھے جاتی ہے بنیادِ عزا صبحِ قیامت تک
کہ زینبؑ شام میں بھی ماتمِ شبیرؑ کرتی ہے

بندھے ہاتھوں ، کھلے سر ، خطبہ خواں مثلِ لسان اللہ
برادر کے عمل کا تکملہ ہمشیر کرتی ہے

شہنشاہِ زمن کے بعد دینِ حق کا افسانہ
بہن اپنے جگر کے خون سے تحریر کرتی ہے

لرز جاتے ہیں دل ، روتی ہے دنیا خون کے آنسو
لسان اللہ کی بیٹی عجب تقریر کرتی ہے!

لہو سے کربلا میں مصحفِ ناطق نے کیا لکھا؟
بہن ہر ہر قدم پر شام میں تفسیر کرتی ہے

اسے بھی چھین لے بڑھ کر کوئی ظالم تو میں جانوں
رخِ زینبؑ کا پردہ چادرِ تطہیر☆ کرتی ہے

ہلا دیتا ہے بنیاد ضلالت شام و کوفہ میں
وہ ہر اقدام جو بھی بنتِ خیبر گیر کرتی ہے

تری رگ رگ میں جولاں خونِ پاکِ فاطمہ زہراؑ
بیاں عصمت کو جن کی آیۂ تطہیر کرتی ہے

یہ عظمت ہے کہ پہلے آ کے تجھ سے پوچھ لیتی ہے
امامت حق کی خاطر جب کوئی تدبیر کرتی ہے

(محمد اشفاق شوقؔ)

☆ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔
اللہ کا بس یہ ارادہ ہے کہ تم لوگوں سے ہر گناہ کو دور رکھے اے اہلِ بیتؑ! اور اللہ تمہیں پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ (سورۃ الاحزاب ۳۳، آیت ۳۳)

در مدحِ حضرتِ زینب صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہا

زینتِ آغوشِ زہراؑ دختِ حیدرؑ زینبؑ است
گوشوارِ عرش را فرخندہ خواہر زینب است
آپ حضرت فاطمہؑ کی آغوش کی زینت اور حیدرؑ کرار کی بیٹی ہیں اور عرش کے کان کا گوشوارہ (امام حسینؑ کی) مبارک بہن زینبؑ ہیں

بانوئی کز بعدِ زہرا بر زنانِ روز گار
باشد از قدر و جلال و رتبہ برتر زینب است
زینبؑ ایسی خاتون ہیں جو فاطمہؑ کے بعد دنیا کی تمام خواتین میں قدر و منزلت اور رتبہ کے اعتبار سے افضل ہیں

روشن است این نکتہ چون خورشید بر اہلِ جہان
کآ آسمانِ مجد را تا بندہ اختر زینب است
دنیا والوں پر سورج کی طرح یہ بات روشن ہے کہ آپ (یعنی زینبؑ) فلک عزّ و شرف کا روشن ستارہ ہیں

گوہرِ دریای عصمت درّۃ التاجِ حیا
دخترِ نیک اخترِ دختِ پیمبر زینب است
آپؑ دریائے طہارت و عصمت کا موتی اور حیا کے تاج کا ہیرا ہیں (اور) پیغمبر اسلام کی دخترِ نیک اختر فاطمہؑ کی نیکو کار بیٹی ہیں

باشد الحق این روا گر ز انکہ گویم عرش را
از جلال و جاہ و رتبت زیب و زیور زینب است
اگر میں عرش سے یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ تیرے جاہ و جلال
اور رتبہ کا زیور اور زینت حضرت زینبؑ کی ذات ہے

گمرہانرا تا قیامت بر صراط المستقیم
ہمچو جد و باب و مامِ خویش رہبر زینب است
بھٹکے ہوؤں کے لئے تا قیامت اپنے نانا اپنے والد اور اپنی ماں کی
طرح زینبؑ بھی منارہ رہبری ہیں

عصمت و شرم و حیا و صبر و تمکین و وقار
این ہمہ اوصاف الحق جلوہ گر در زینب است
عصمت و طہارت ، شرم و حیا اور تحمل و وقار ان جیسے اعلیٰ
اوصاف حضرت زینبؑ کی ذاتِ گرامی میں جلوہ گر ہیں
(محمد علی بن حسین بن اسمٰعیل الطبسی)

بِسمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيم

حرفِ آغاز

اے کارساز قبلۂ حاجات وکارہا
آغاز کردہ ام تو رسانی بہ انتہا
اے کاموں کے بنانے والے (اے) حاجتوں کو پورا کرنے والے ، میں نے کام کی ابتدا کردی ہے تُو اس کو انتہا تک پہنچا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتاً بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ۔

(اور اُنہیں جو اللہ کی راہ میں مارے گئے (تم اپنے خیال و گمان میں) ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس (کیفیت حیات کے لطف اٹھا رہے ہیں) کھاتے پیتے ہیں۔ (سورہ آل عمران ۳، آیت ۱۶۹)

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ

اور جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو (وہ مردہ نہیں) بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو ان کی حیات کا شعور نہیں۔ (سورۃ البقرۃ ۲، آیت ۱۵۴)

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِينَ۔ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

اورضرور بالضرور ہم تمہیں آزمائیں گے خوف و دہشت، بھوک اور مال و جان اور پھلوں کے نقصان میں سے کسی نہ کسی چیز کے ساتھ اور خوشخبری دیجئے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو اُن کا قول یہ ہو کہ بلاشبہ ہم اللہ کے ہیں اور بلاشبہ ہمیں اسی کی طرف پلٹ کرجانا ہے۔
(سورۃ البقرۃ ۲، آیت ۱۵۵، ۱۵۶)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ

اور آدمیوں ہی میں سے وہ بھی ہے جو اپنی جان بیچ ڈالتا ہے (قربان کردیتا ہے) اللہ کی مرضی کی طلب میں، اور اللہ بندوں پر بڑا شفیق ہے۔

(سورۃ البقرہ ۲، آیت ۲۰۷)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْم۔

بلاشبہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

(سورۃ البقرہ ۲، آیت ۲۱۸)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْا اِثْماً وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔

اور یہ کافر ایسا نہ سمجھیں کہ ہم جو ان کی رسّی دراز رکھتے ہیں یہ اُن کے لئے کوئی اچھی بات ہے، ہم تو صرف اس لئے ان کی رسّی دراز رکھتے ہیں کہ وہ اور زیادہ گناہ کرلیں، اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

(سورۃ آل عمران ۳، آیت ۱۷۸)

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ۔

پھر جنہوں نے بُرائی کی تھی ان کا انجام بھی بُرا ہوا، اس لئے کہ انہوں نے آیاتِ الٰہی کو جھٹلایا اور وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ (سورۃ الروم ۳۰، آیت ۱۰)

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ وَاُمْلِىْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِىْ مَتِيْنٌ۔

اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، انہیں ہم آہستہ آہستہ گرفت میں لیں

گے اس طرح کہ انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ اور میں انہیں ڈھیل دوں گا، یقیناً میرا منصوبہ بڑا مضبوط ہوتا ہے۔ (سورۃ الاعراف ۷، آیت ۱۸۲، ۱۸۳)

میدانِ کربلا میں حسینؑ اور ان کے ساتھی سب کے سب موت کے متمنی تھے یعنی:

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔

(سورۂ جمعہ ۶۲، آیت ۶)

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۔

اب جو اس بارے میں آپ سے کٹ حجتی کرے، اس کے بعد کہ یہ علمی دلائل آپ کے پاس آگئے تو کہہ دیجیے کہ آؤ! ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے نفسوں کو اور تمہارے نفسوں کو پھر التجا کریں اور اللہ کی لعنت قرار دیں جھوٹوں پر۔

(سورۃ آل عمران ۳، آیت ۶۱)

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جو چیز بھی تم بطور غنیمت حاصل کرو تو بلاشبہ اُس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہوگا اور پیغمبر کے لئے اور صاحبان قرابت اور یتیموں اور غریبوں اور اس کے لئے جو سفر کی راہ میں ہے۔ اگر تم ایمان رکھتے

ہو اللہ اور اس پیغام پر جو ہم نے اتارا اپنے بندہ پر فیصلہ کے دن، اس دن جب دونوں جمعیتوں میں مڈبھیڑ ہوئی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔
(سورۃ الانفال ۸، آیت ۴۱)

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّ يَتِيمًا وَّ اَسِيرًا ۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُورًا۔

اور وہ کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت کے ساتھ ساتھ غریب محتاج اور یتیم اور جنگ کے قیدی کو۔ ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے جزا چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔ (سورہ الدھر ۷۶، آیت ۸،۹)

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى۔

یعنی کہہ دو اے نبیؐ! میں بجز اپنے اہلِ بیتؑ کی محبت کے تم سے اور کوئی اجر نہیں چاہتا۔ (سورۃ الشوریٰ ۴۲، آیت ۲۳)

اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔

اللہ کا بس یہ ارادہ ہے کہ تم لوگوں سے ہر گناہ کو دور رکھے اے اس گھر والو! اور اللہ تمہیں پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ (سورۃ الاحزاب ۳۳، آیت ۳۳)

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔

ہم نے تو آپ کو کثرت نسل عطا کی ہے تو آپ اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھتے رہیے اور قربانی کرتے رہیے، یقیناً آپ کا دشمن ہی بے اولاد ہوگا۔
(سورۃ الکوثر ۱۰۸، آیت ۱،۲،۳)

چند قرآنی آیات لکھنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جو لوگ دینِ اسلام کو دل سے عزیز رکھتے ہیں ان کے نزدیک دنیاوی نقصانات کوئی حیثیت نہیں رکھتے اور نہ تکالیف ذہنی و جسمانی کوئی حیثیت رکھتی ہیں، وہ ہر حال میں

راضی برضا رہتے ہیں اور تکالیف و نقصانات کو بہ خوشی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے قبول کرتے ہیں۔ نبی آخرالزّمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے خانوادے کے افرادِ محترم گھر لٹا سکتے ہیں، سر کٹا سکتے ہیں لیکن ظلم و جبر کے آگے سر نہیں جھکا سکتے وہ صبر و شکر، زہد و توکّل کی منازل سے گزرتے ہیں، جن کی زندہ و تابندہ مثال شہدا اور اسیرانِ کربلا ہیں:

حیاتِ جاوداں اسلام میں یوں ہی نہیں آئی
فدا کی ہیں بہت انمول جانیں آلِ عمراں نے

یہاں تاریخِ کربلا لکھنا مقصود نہیں کیونکہ یہ تمام واقعات و حادثات اور فیصلۂ قدرت میری زیرِ تصنیف کتاب ''شہیدِ اعظم، حسین علیہ السلام'' میں تفصیل سے احاطۂ تحریر میں آرہے ہیں۔ یہاں صرف ایک ذاتِ گرامی یعنی نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نواسی، علیؑ کی بیٹی ''حضرت زینب سلام اللہ علیہا'' کے حالاتِ زندگی نہایت اختصار سے لکھنا مقصود ہیں۔ لیکن امامِ مظلوم حضرت امام حسینؑ کے شہادت کے بعد شبِ عاشور کے واقعات لکھے بغیر چارہ نہیں کہ یہیں سے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے ایثار و قربانی کی داستان شروع ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا آیاتِ مبارکہ کا تعلق ایمان وایقان اور ایثار و قربانی سے ہے جس کا عملی مظاہرہ میدانِ کربلا میں اہلِ بیتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے پیش کیا۔ جان بچانے کے لئے انسان اپنا مال و دولت لٹا دیتا

ہے اور جان بچاتا ہے لیکن کربلا والوں نے اسلام کو بچانے کے لئے جانیں تک قربان کر کے ابدالآباد تک کے لئے لازوال مثال قائم کردی ہے۔

حادثۂ کربلا کے بعد حضرت زینبؑ نے کربلا سے کوفہ، کوفہ سے شام اور پھر شام سے مدینہ تک لٹے ہوئے قافلے کی ایسی رہبری فرمائی کہ شریکۃ الحسینؑ اور پیامبرِ انقلابِ حسینؑ کہلائیں۔

اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کربلا میں تین شب و روز بھوکے پیاسے رہے، بہ کمالِ خلوص قربانیاں پیش کیں، اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائیں، فیصلہ شہداء کے خون سے لکھا گیا۔ یہی کربلا کی داستان ہے۔

تفصیل میری کتاب ''شہیدِ اعظم، حسین علیہ السلام'' میں ملاحظہ فرمائیے۔

علاّمہ اقبال فرماتے ہیں:

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہرزماں از غیب جانے دیگر است

جنہوں نے راہِ خدا میں اپنی جانیں قربان کیں انہیں
فنا نہیں، وہ ہر دور میں زندہ ہیں۔ (علاّمہ اقبالؒ)

دنیا میں ہر چیز ختم ہو جاتی ہے مگر خونِ شہادت کے قطروں کے لئے جو اپنے اندر حیاتِ الٰہیہ کی روح رکھتے ہیں کبھی فنا نہیں ہوتے۔ شہیدانِ کربلا کی یاد ہر سال منائی جاتی ہے اور تا قیامِ قیامت منائی جاتی رہے گی،

انشاء اللہ تعا[illegible] کسی زندہ قوم کی یہی نشانی ہے۔ جو قومیں بزرگوں کی یاد نہیں مناتیں اور تار[illegible] سے سبق حاصل نہیں کرتیں جغرافیہ انہیں بھلا دیتا ہے۔

تا[illegible] درس عبرت از گزشتگاں☆ است
برا[illegible] تہذیب و اخلاق آئندہ گان است

تاریخ [illegible] ہے! ماضی سے سبق سیکھنے کا ذریعہ اور آنے
والوں [illegible] تہذیب و اخلاق طور طریقے جاننے کا راستہ۔

اس مختصر سے ابتد[illegible] کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر احوال زینب سلام اللہ علیہا شروع ک[illegible] ہوں اور دعا گو ہوں:

میں لکھ[illegible] چاہتا ہوں مجھ کو رہنمائی دے
مرے خد[illegible] مجھے تھوڑی سی روشنائی دے

ماضی بعید و قریب [illegible] نشوروں اور اہلِ قلم حضرات نے نہایت ج
اور تحقیق کے بعد جو کچھ لکھا [illegible] ن کو نہایت سلیس اور آسان لفظوں می
اختصار کے ساتھ یکجا کردیا ہے تاکہ [illegible] ارئین مطالعہ کریں اور حقیقت ت
پہنچنے کی سعی فرمائیں۔ امید ہے اس [illegible] اب کو پڑھ کر ہماری معزز بہنیں ا
بیٹیاں عبرت حاصل کریں گی۔ اگر ہماری کچھ بہنوں اور بیٹیوں نے ہما

☆ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ
اور بے شک ہم نے تم لوگوں کی جانب کھلی ہوئی نشانیاں بھیجی ہیں اور مثالیں
ان لوگوں کی جو تمہارے پہلے گزر گئے اور نصیحت پرہیز گاروں کے لئے۔
(سورۃ النور ۲۴، آیت ۳۴)

اس خدمت سے متاثر ہوکر اپنی زندگی کو سیرتِ زینب سلام اللہ علیہا میں ڈھال لیا تو ہم سمجھیں گے کہ ہم اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے۔ حق تو یہ ہے کہ خواتین کی فرمائش پر ہی یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ خدائے بزرگ و برتر ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہی العٰلمین۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

احقر

سیّد علی اکبر رضوی عفی عنہ

حضرت زینب سلام اللہ علیہا

آدمیّت کو ناز ہے جس پر
وہ تقدّس مآب ہے زینبؑ(۱)

جنابِ زینب صلواۃ اللہ علیہا ۵ جمادی الاوّل ۵ھ کو مدینہ منوّرہ
اپنے بھائی امام حسینؑ سے ایک سال بعد پیدا ہوئیں(۲)۔ ۷ھ میں صلحِ حد
ہوئی جس سے اسلام کی جڑ مضبوط ہوئی اور تکلیفوں کا زمانہ ختم ہوا۔
کی ولادت پر بنی ہاشم اور اصحابؓ نے حضورؐ کو مبارک باد پیش کی۔ پھ
کے کھِلنے سے پھلوں کی امید بندھی، پھل آئے لیکن پھلوں کے ساتھ
ستم ہوا، لکھنا چاہتا ہوں، خدا کرے وہ سب لکھ سکوں جو لکھنا چاہتا ہ
اور آپ پڑھ سکیں۔ آنکھیں اگر پُرنم ہوں تو گھبرائیے نہیں، آنسوؤں کا
دل کے بوجھ کو ہلکا کرتا ہے اور سکون نصیب ہوتا ہے۔ رونا اور ہنسنا فط
انسانی ہے(۳)۔ نو مولود روتا ہے تو اہلِ خانہ ہنستے ہیں ورنہ گھر والے رو

(۱) لفظ زینب دو کلموں سے مرکب ہے۔ زین اور اَب یعنی باپ کی زینت۔
(۲) بعض روایتوں کے مطابق سیّدہ کی ولادت ۶ھ میں ہوئی۔
(۳) وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى
اور یہ کہ وہی ہے جس نے ہنسایا ہے اور رلایا ہے۔
(سورۃ النجم ۵۳، آیت ۴۳)

ہیں۔ نومولود بچّی حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ سے چھوٹی لیکن امیرالمومنین علی مرتضیٰؑ کے گھر میں پہلی اور بڑی بیٹی اور سب کی چہیتی تھیں۔ آپ کی چھوٹی بہن کا نام زینبِ صغرا/اُمِّ کلثوم تھا۔

جناب سیّدہؑ نے شوہرِ نامدار حضرت علیؑ سے درخواست کی کہ نوزائیدہ بیٹی کا نام تجویز فرمائیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ''وہ اس کام میں جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر (جو اُن دِنوں سفر پر تھے) سبقت نہیں کرسکتے''۔ تین دن بعد جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو خبر ہوئی، سیدھے بیٹی کے گھر تشریف لے گئے۔ بیٹی کو مبارک باد دی، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے درخواست کی گئی کہ نومولود نواسی کے لئے نام تجویز فرمائیں۔ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا، ''اِس کام میں اللہ تعالیٰ پر سبقت نہیں کرسکتا''۔ پس جبرئیلِ امین نازل ہوئے اور عرض کیا کہ ''پروردگارِ عالم آپ پر سلام بھیجنے کے بعد ارشاد☆ فرماتا ہے کہ بچّی کا نام 'زینبؑ' رکھاجائے''۔ پس نانا نے ''زینبؑ'' نام رکھا اور ساتویں دن

☆ برگزیدہ ہستیوں کا نام خدا کی طرف سے ہونا کوئی نئی بات نہیں، آیات قرآن پیش خدمت ہیں: نبشرك بغلامِ ن اسمهُ یحیٰ

یعنی خوشخبری دیتے ہیں ہم تجھ کو ایک لڑکے کی جس کا نام یحیٰ ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کا نام یوں معین فرمایا کہ اسمه المسیحُ ابن مریم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا نام اس طرح ظاہر کیا گیا یاتي من بعدی اسمهُ احمدُ۔ یعنی میرے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام احمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہوگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے کچھ صحابہؓ کے نام خود بھی تبدیل کئے تھے۔

عقیقہ فرمایا۔ اس وقت مجھے سورۃ النجم ۵۳ کی آیت ۳، ۴ یاد آ رہی
پیشِ خدمت ہے:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔

آپ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتے بلکہ جوکچھ کہتے ہیں وہ
کلامِ خداوندی ہوتا ہے۔ (سورۃ النجم ۵۳، آیت ۴،۳)

پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم جس قدر بیٹی سے محبت فرما
اس سے کہیں زیادہ نواسوں اور نواسیوں سے محبت فرماتے تھے۔
المثل ہے ''اولاد مثلِ بادام اور اولاد کی اولاد مثل مغزِ بادام ہوتی ہے''

تعلیم وتربیّت

حضرت زینبؑ کی تعلیم و تربیّت اس گھرانے میں ہوئی جو
تربیت کا گہوارہ تھا آپ کے نانا شہرِ علم، بابا بابِ شہرِ علم اور ماں
جنّت۔ لڑکیوں کی تعلیم کا زیادہ ترتعلّق ماں سے ہوتا ہے اس لئے کہ
ہے کہ آپ کی تعلیم و تربیّت کی ذمّہ دار کافی حد تک جناب فاطمہ
سلام اللہ علیہا تھیں۔ جناب رازق الخیری اپنی کتاب ''سیّدہ کی بیٹی
تحریر فرماتے ہیں:

''ایثار و قربانی، فراست اور دانشمندی، استقامت
استقلال، صداقت اور جرأت تواضع اور مہمان نوازی، زہد

تقویٰ ، عبادت و ریاضت ، خلق و کرم ، سادگی و پاکیزگی ان تمام صفات کا بی بی زینب صلواۃ اللہ علیہا میں جمع ہو جانا نہ صرف اثر تھا ان کے بزرگوں☆ کے خون کا جو اُن کی رگوں میں دوڑ رہا تھا بلکہ فیض تھا اس ماحول اور صحبت کا جس میں انہوں نے آنکھ کھولی اور بچپن گزارا۔ سونے پر سہاگہ اس محترم اور مقدس ماں کی تربیت تھی جس نے غیروں تک کو جانوروں سے انسان ، پیتل سے سونا اور پتھر سے ہیرا بنا دیا''۔

ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی مصری اپنی کتاب ''بطلتہ الکربلا'' میں رقم طراز ہیں:

''زینب صلواۃ اللہ علیہا کی دادی فاطمہ بنت اسد ابن ہاشم ابن عبد مناف تھیں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے چچا حضرت ابوطالب کی زوجہ تھیں ، یہ پہلی ہاشمی عورت تھیں جن کا عقد ہاشمی مرد سے ہوا اس طرح ہاشمی نسل چل نکلی۔ فاطمہ بنتِ اسد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر ابتداء ہی میں ایمان لائیں اور اسلام قبول فرمایا۔

☆ رنگے بگیرند از ہم نشین
خدا گفت ''کونوا مع الصّادقین''
کیونکہ لوگ اپنے ہم نشین کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں ،
خدانے فرمایاہے''رہو صادقین کے ساتھ''۔

آپ کا قبولِ اسلام قا بلِ تعریف ہے۔ آپ نے ا
وفات کے وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو وصیّت کی
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ان کی وصیّت کو قبول فر
اور ان کی بڑی تعریفیں کیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم
سے اس قدر محبت فرماتے تھے کہ جب انھوں نے انتقال فر
تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنی قمیض ان کو بطور ک
پہنائی اور ان کی قبر میں لیٹے۔ جب اصحابؓ نے اس کا س
پوچھا تو فرمایا ، چچا ابوطالب کے بعد میرے ساتھ ان
زیادہ نیکی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ میں نے اپنی قمیض ان کو
لئے پہنائی تاکہ بہشت کے حُلّے ان کو پہنائے جائیں اور
کی قبر میں اس لئے لیٹا تاکہ ان پر مراحل قبر آسان
جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ایک چچی یہ تھیں
کی یہ زرّیں خدمات تھیں اور ایک چچی اُم جمیل بنت حر
زوجۂ ابو لہب تھی ، جس کی قرآن مجیدنے سورۃ الھب
مذمت کی ہے۔ امّ جمیل اپنے سر پر خاردار لکڑیوں کے بوج
لاتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے راستہ میں بچھا
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بُرے الفاظ سے یاد ک

تھی۔ حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا کے پردادا عبدالمطلب ابنِ ہاشم امینِ کعبہ اور حاجیوں کے مہمان نواز اور پانی پلوانے والے تھے اور یہ میراث ان کو اپنے بزرگوں سے ملی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ''ابرہہ'' کے شر سے جو کعبہ کو تباہ کرنے آیا تھا، محفوظ رکھا''۔(۱)

چنانچہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نواسی مدینہ کی تمام خواتین کیلئے ہر ہر قدم پر نمونۂ عمل اور سب کے دل کا سرور اور آنکھوں کا نور ثابت ہوئیں۔ کیوں نہ ہوں کہ جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا نے انتہائی پاکیزہ اور ارفع ماحول میں زندگی گزاری ابتدائی۶/۷ سال کے بعد جناب امّ البنین والدۂ عبّاس علمدار اور جناب اسماء بنت عمیس جیسی بلند مرتبہ خواتین کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ ان دونوں شخصیات نے اولادِ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی اچھّی دیکھ بھال کی اور زیادہ سے زیادہ عزّت کی۔ یہی وہ گھرانہ تھا جس میں تعلیماتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا عملی مظاہرہ ہوا کرتا تھا۔ جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا کے ارشادات اور خطبات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ''آپ مختلف علوم یعنی قرآن و تفسیر، ادب وعلم کلام و بیان پر پوری طرح حاوی تھیں''۔(۲) جو نتیجہ تھا جنابِ امیرؑ کی تعلیم کا اور آپ کی حصولِ تعلیم کی صلاحیت کا۔ رازق الخیری تحریر

(۱) اقتباس از ''بطلۃ الکربلا''، ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی مصری، ص۱۹۔
(۲)سیدہ کی بیٹی : رازق الخیری

فرماتے ہیں:

''بی بی زینب صلواۃ اللہ علیہا بچپن ہی میں باعتبارِ علم و فضل مدینہ کی تمام لڑکیوں میں قابل ترین سمجھی جاتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے گھر میں محلّے اور قبیلے کی لڑکیوں کا اکثر مجمع رہتا تھا۔ جو وقت گھر کے کاموں سے بچتا وہ تعلیم میں صرف کرتی تھیں۔ حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا کا سن رشد اس قدر اعلیٰ اور بہتر اور برتر تھا کہ مورّخین کے بیان کے مطابق اس وقت قریش میں اور بنی ہاشم کی خواتین میں بھی یہاں تک کہ عبدالمطلب کی اولاد کی تمام لڑکیوں میں ایک بھی ان جیسی نہ تھی''۔☆

خانہ داری کے مختلف شعبوں میں جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا مہ
رکھتی تھیں۔ اِن امور کی تعلیم آپ نے اپنی مادرِ گرامی سے حاصل
شادی سے قبل جب تک گھر میں رہیں گھر کا انتظام آپ کے سپرد ر
آپ بھائی بہنوں کے آرام و آسائش کا بے حد خیال رکھتی تھیں۔
کے بعد جب آپ اپنے شوہر کے گھر گئیں تو خانہ داری کے فرائض
انجام دہی میں آپ کو کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی بلکہ آسانی اور عمدگی
ساتھ آپ نے گھر کا انتظام کیا مولانا رازق الخیری لکھتے ہیں:

''ان کی سلیقہ شعاری میں یہ عادت شامل تھی کہ وہ فضول

☆سیدہ کی بیٹی : رازق الخیری

اور بے کار کوئی چیز گھر میں نہ رکھتی تھیں۔ کھانا ضرورت کے مطابق تیار کرتیں اور وقت پر تیار کرتیں۔ جب تمام مرد یا بچّے کھانے سے فارغ ہو جاتے تب خود کھاتیں اور جو کھانا بچ جائے اٹھا کر نہ رکھتیں بلکہ کسی بھوکے کو کھلا دیتیں۔ کفایت شعاری اور نظم وضبط ان کے تمام کاموں میں جلوہ گر ہوتا۔ ضرورت سے زیادہ کوئی چیز خرچ نہ کرتیں ان کی خانہ داری میں غریبوں ، بے کسوں اور یتیموں کی مدد بھی شامل تھی جن کی امداد میں ہمیشہ فراخ حوصلگی سے کام لیتیں۔ اپنی محترم ماں کی طرح انہیں بھی اچھے کھانوں کا شوق نہ تھا جو کچھ میسّر آتا اس پر صبر و شکر کرتیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفرِ طیار کے یہ الفاظ 'زینب صلواۃ اللہ علیہا بہترین گھر والی ہے' بتا رہے ہیں کہ سیدۂ کی بیٹی خانہ داری میں کس قدر ماہر تھیں''۔[۱]

یحییٰ مازنی مدینہ میں حضرت علیؑ کے پڑوس میں رہتے تھے ، ان کا بیان ہے کہ انہوں نے نہ کبھی حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا کا قد و قامت دیکھا اور نہ باہر آواز کی گونج سنی۔[۲]

ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ۱۱ھ میں وصال ہوا۔ تقریباً تین ماہ بعد خاتونِ جنت بھی دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ جنابِ زینب صلواۃ اللہ

(۱) سیدہ کی بیٹی : رازق الخیری
(۲) تفصیل کے لئے دائرۂ معارفِ اسلامیہ ، دانش گاہ پنجاب ، لاہور ، ج ۱۰ ، ص ۵۶۸ ملاحظہ فرمائیں۔

علیہا کا کیا حال ہوگا ، کوئی اس بچّی سے پوچھے جس کی ماں کا سایہ ۶/۷ سال کے سن میں اٹھ گیا ہو۔ معصوم کو اچانک طوفانِ حوادث نے گھیر لیا۔ دستِ اجل آپ کے باغِ حیات پر حملہ آور ہوا اور نخل ہائے حیات اُس کی زد میں آنے لگے۔ گلشنِ حیات پر یکے بعد دیگرے یلغارِ حوادث ہونے لگی اور مصائب و آلامِ عظیم خرمنِ ہستی پر یورش کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زندگی کے باقی پچاس برسوں میں زینب صلواۃ اللہ علیہا کو رنج و مصائبِ بلیّات و حرمان نصیبی کے پہاڑوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا نے نہایت بے جگری سے سب کا مقابلہ کیا۔ واقعۂ کربلا کے وقت حضرت امام حسینؑ کا سن ۵۷ سال اور جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا کا سن چھپن سال رہا ہو گا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی مصری ''بطلۃ الکربلا'' (کربلا کی شیر دل خاتون) میں تحریر فرماتی ہیں:

> ''مورخین لکھتے ہیں کہ زینب صلواۃ اللہ علیہا کی ولادت کے وقت کربلا کی المناک داستان اور اس مصیبت کی خبر جو اس بچّی کو اس واقعہ میں پڑنے والی تھی دہنِ نبوّت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نکلی ہوئی پیشین گوئی کے ذریعہ مشتہر ہوگئی تھی''۔

کربلا کے حادثہ کی خبر کا واقع ہونے سے نیم قرن (پچاس سال) پہلے سے پیغمبرؐ کے خاندان میں چرچا تھا۔ احمد بن حنبل اپنی کتاب سنن (جلد اول ص ۸۵) میں نقل کرتے ہیں:

''جبرئیلؑ نے پیغمبرؐ کو حسینؑ کی شہادت سے آگاہ کیا تھا

اور ابن اثیر تاریخِ کامل میں روایت کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے قتل گاہ حسینؑ کی ایک مٹھی خاک جس کو جبرئیلِ امین لائے تھے امّ المومنین حضرت امّ سلمہؓ کو دی اور فرمایا کہ جس وقت یہ خون میں بدل جائے سمجھ لینا کہ حسینؑ شہید ہوگئے۔ حضرت امّ سلمہؓ نے اس خاک کو ایک شیشہ میں محفوظ رکھا، جب عاشورہ محرم کو حسینؑ شہید کردئے گئے تو یہ خاک، خون میں تبدیل ہوگئی، جس سے خبرِ شہادت لوگوں میں مشہور ہوگئی''۔☆

بچپن کا ایک عجیب وغریب خواب

سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہا نے بچپن کے زمانہ ہی میں ایک عجیب و غریب خواب دیکھا۔ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی وفاتِ حسرت آیات کا آخری سال تھا۔ اُس وقت آپ صلواۃ اللہ علیہا کی عمر تقریباً چھ سال تھی، اپنے شفیق نانا جنابِ رسولؐ خدا کی خدمت میں اس طرح اپنا خواب بیان کیا:

''میں یکہ و تنہا بیابان میں ایک بلندمقام پر کھڑی تھی کہ یکا یک بلاخیز آندھی اٹھی، بہت تیز ہوا چلنے لگی، ہر طرف اس

☆ ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی مصری ''بطلۃ الکربلا'' ص۲۰،۲۱)

قدر گرد و غبار اٹھا کہ روزِ روشن شبِ تاریک میں بدل گیا۔ میرے قریب ایک درخت تھا، میں پناہ کی خاطر اس درخت کی طرف بڑھی اور اس سے لپٹ گئی، لیکن درخت جڑ سے اکھڑ گیا۔ میں نے پناہ کے لئے درخت کی ایک شاخ کو پکڑا لیکن وہ شاخ ٹوٹ گئی۔ میں نے دوسری شاخ کا سہارا لیا، لیکن وہ بھی ٹوٹ گئی۔ ایک دوشاخہ کی طرف بڑھی اور اس کی پناہ لی۔ وہ بھی ٹوٹ گیا۔ میں سرگرداں و پریشان و حیرت زدہ ہوکر اپنی جگہ خوفزدہ کھڑی تھی کہ میری آنکھ کھل گئی۔''

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اس پریشان خواب کو سن کر سخت مضط ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے چہرۂ اقدس کا رنگ اتر گیا، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس خواب کی تعبیر اس طرح بیان فرمائی:

''وہ درخت جو جڑ سے اکھڑ گیا، وہ میں ہوں، گویا میری موت کا وقت قریب آن پہنچاہے۔ وہ شاخ جس کی تم نے پناہ لینا چاہی، تمہاری والدۂ گرامی ہیں، دوسری شاخ تمہارے والدِ بزرگوار ہیں۔ اس کے بعد جس دو شاخہ کی طرف تم بڑھیں، وہ تمہارے دونوں بھائی حسنؑ اور حسینؑ ہیں''۔

تعبیر خواب کے آخر میں فرمایا:

''یہ خواب آزمائشِ تقدیر میں تمہاری بزرگی و استقامت کا

مظہر ہے۔ تم اس آزمائش میں بہ طریقِ احسن پوری اترو گی۔ بعد کے مصائب میں تمہاری استقامت بہت بلند درجہ پر ہوگی"۔

واقعات مابعد سے مراد واقعۂ کربلا تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک روز جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا قرآن مجید کی کچھ آیتیں پڑھ رہیں تھیں ان کی تفسیر اپنے پدرِ بزرگوار سے دریافت کی اور تفسیر فرماتے ہوئے ایسا ہوا کہ حضرت علیؑ نے کربلا کی المناک داستان کا اشارۃً تذکرہ فرمایا اور وہ بہت متعجّب ہوئے ، جب جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا نے جواب میں عرض کیا ، بابا جان! میں جانتی ہوں میری ماں نے مجھ کو اس واقعہ سے آگاہ کر دیا تھا تاکہ اس دن کی زندگی کے واسطے وہ مجھ کو تیار کر دیں ، حضرت علیؑ یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے ، لیکن ان کا دل اپنی بیٹی کی محبت اور شفقت سے دھڑکنے لگا۔☆

☆ "بطلۃ الکربلا" ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی مصری،ص ۲۶)

مصائب کی ابتداء

ثانیٔ زہرا صلواۃ اللہ علیہا کا سنِ مبارک ابھی چھ برس سے زیادہ ن ہوا تھا کہ یکے بعد دیگرے مصائب کی یورش شروع ہوگئی:

نانا کا وصال: ابھی صرف چھ سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے ک حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جیسے نازبردار نانا کے سا عاطفت سے محروم ہونا پڑا۔ زندگی کے چھٹے سال میں زینب صلواۃ اللہ علی کے نازک و معصوم دل کے لئے یہ پہلا داغ تھا۔

رحلت مادرِگرامی: نازبردار نانا کے غم میں زینب صلوات اللہ علی کے آنسو ابھی خشک بھی نہیں ہوئے تھے کہ فراق پدر سے بے چین ماں غیر فطری اسباب☆ نے بسترِ مرگ پر لٹا دیا۔ یعنی وہ مقدّس آغوش جس می زینب صلواۃ اللہ علیہا نے آنکھیں کھولیں زینب صلواۃ اللہ علیہا سے ہمیش

☆ حضرت فاطمہؑ اپنے پدر بزرگوار کی وفات کے بعد اپنی زندگی رنج وغم میں بسر کر تھیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ پیغمبرؐ کی بیٹی کا گھر غم کدہ بنا ہوا تھا۔ کسی مورخ نے نہیں لکھا حضرت فاطمہؑ اپنے باپ کے مرنے کے بعد کبھی ہنسی ہوں یا اپنی بیماری کے بستر کو سوا اس وقت کے جب وہ پیغمبرؐ کے مزار کی زیارت کو جاتی تھیں چھوڑا ہو۔ وہ باپ کی قبر قریب جاتی تھیں اور رو کر ان کی تربت پاک سے ایک مٹھی خاک اٹھاتی تھیں اور اس سونگھتی تھیں اور اپنی آنکھوں اور چہرہ پر لگاتی تھیں اور چیخ چیخ کر فرماتی تھیں:

(بقیہ اگلے صفحہ

ہمیشہ کے لئے علیحدہ ہوگئ… وہ الفتِ مادر میں ڈوبی ہوئی نگاہیں جو سایہ کی طرح زینب صلو… اللہ علیہاکے ساتھ ساتھ رہتی تھیں بے نور ہوگئیں۔ ماں کی اس … موت سے زینب صلواۃ اللہ علیہا کے دل پرکیا اثر ہوا ہوگا خدا بہتر جانتا ہے۔ دنیائے امکان کی سب سے زیادہ تاریک افتاد، سب سے زیادہ دردانگیز مصیبت اور سب سے زیادہ مثالی بدنصیبی اولاد کا سایۂ مادر سے محروم ہونا ہے۔ اولاد کی کمسنی اس درد کو اور جگر خراش بنادیتی ہے اور پھر لڑکی کو جو مخصوص وابستگی و خصوصیت اور محبت ماں سے ہوتی ہے وہ نہ کسی تشریح کی محتاج ہے اور نہ کسی تفصیل کی۔ اس طرح زمانۂ خورد سالی ہی میں اس قدر مصائب حملہ آور ہوئے جو قلبِ نازنین کی شکستگی کا باعث بنے۔ تاہم کم سن بچّی نے ان تمام آلام و مصائب کو برداشت کیا۔ ان نامساعد حالات سے زینبؑ علیا اس قدر مانوس ہوئیں کہ

(پچھلے صفحہ کا بقیہ)

ماذاعلی من شم تربت احمد ان لا لو یشمَ مدی الزمان غوالیا

اس کے لئے جس نے جناب احمدؐ کی قبر کو سونگھا ہے کیا پروا ہے اگر وہ اپنی تمام عمر میں اچھی خوشبو نہ سونگھے

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّھَا صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا۔

مجھ پر وہ مصیبتیں ڈالی گئیں ہیں جو اگر دنوں پر نازل کی جاتی تو راتوں کی طرح سیاہ ہو جاتے۔

جناب فاطمہ زہراؑ کی گریہ و زاری ضرب المثل ہوگئی اور وہ پانچ رونے والوں میں سے جن کا نام تاریخ میں درج ہے "حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یحیٰؑ اور حضرت فاطمہؑ" ایک شمار کی جاتی ہیں۔ ان کے بعدان کے پوتے زین العابدین کے نام کا بھی اس فہرست میں اضافہ ہوا۔ (ماخوذاز ڈاکٹر عائشہ شطی مصری، ص ۱۲۰، ۱۲۱۔)

آخرکار "امّ المصائب" قرار پائیں۔ رسول زادی صلواۃ اللہ علیہا نے اپنے آپ کو ایک نہایت درد ناک مصیبت کے لئے آمادہ کرلیا یعنی کربلا میں عاشور کی خوفناک گھڑیوں اور اس کے بعد کے مصائب کی شدّت کا مقابلہ کرنے کی خاطر زینب صلواۃ اللہ علیہا کا حوصلہ بلند ہوگیا۔ ان تمام کثرت آلام کو اس قدر تحمل سے برداشت کیا جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی یہ مصائب اتنی شدید نوعیت کے حامل تھے کہ اگر پہاڑ پر پڑتے تو ریز ریزہ ہو جاتا۔

ثانیٔ زہراؑ کے رموزِ عظمت

سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہا کی شان اور مقامِ بلند کا یہ عالم ہے کہ امتِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں کسی شخص سے آپ کی تشبیہ نہیں دی جاسکتی، یہ بات صرف ثانیٔ زہراصلواۃ اللہ علیہا ہی کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتی بلکہ آلِ رسولِ خدا سب کے سب اسی شان و مقام کے مالک ہیں۔ اس کے برعکس قطعی طور پر یہ بات صحیح وحتمی ہے کہ امتِ مرحوم کے تمام افراد میں کسی کا بھی ان ذواتِ مقدسہ کے ساتھ مقابلہ ممکن نہیں۔ جناب زینبؑ کی شخصیت و کردار کی تعمیر و ترقی اور تشکیل میں نہ صرف پنجتنؑ کی شخصیت اور ان کی تربیت وتعلیم کو دخل ہے بلکہ ان واقعات کا بھی ہاتھ ہے جو جناب زینبؑ پر بچپن سے جوانی تک رو

ہوئے۔ مثلاً ان کی پیدائش سے ۷/۸ برس تک حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی زندگی میں ان کے گھر والوں اور ان کی عزّت ، وقار اور محبت تمام خاص و عام کرتے تھے لیکن حضورؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی والدہ اور والدِ محترم حالات سے مجبور ہو کر گوشۂ تنہائی میں چلے گئے لیکن ایک بار پھر عروج ہوا جب حضرت علیؑ خلیفۂ وقت ہوئے۔ لیکن حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد مصائب کا دور پھر شروع ہوگیا۔ اسی لئے جناب امیرالمومنینؑ نے ''نہج البلاغہ'' میں ارشاد فرمایا:

لاقیاس بآل محمد صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم من ھذہ الامۃ احدً

یعنی اس امّت کے کسی فرد کا مقام آلِ محمدؐ پر قیاس نہیں ہوسکتا۔

ان حالات میں اگر زینبؑ علیا کی شان کا موازنہ کرنا ہی ہو تو ایسے حضرات سے کرنا چاہئے جو ویسی شان کے مالک ہوں۔ سیّدہ زینب سلام اللہ علیہا ایک عظیم اور بے مثال بی بی تھیں۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی مصری اپنی کتاب ''بطلۃ الکربلا'' میں تحریر فرماتی ہیں کہ:

''زینبؑ لطف اور مہربانی میں اپنی ماں کی طرح اور علم و پرہیزگاری میں اپنے باپ کی مانند ہیں۔ بعض روایات کے مطابق ان کی ایک علمی انجمن تھی جس میں خواتین ان کے پاس احکام دین سیکھنے جایا کرتی تھیں۔ ان نمایاں اوصاف نے

جو ان کے زمانہ کی کسی عورت میں بیک وقت نہیں پائے جاتے تھے زینب صلوات اللہ علیہا کو دوسروں پر ممتاز کر دیا تھا۔ اسی لئے ان کو ''عقیلۂ بنی ہاشم'' کہتے تھے اور ان سے لوگ علم و حدیث حاصل کیا کرتے تھے۔ ابن عباسؓ ان سے حدیث نقل فرماتے اور یہ کہتے تھے ''ہماری عقیلہ زینب صلوات اللہ علیہا دخترِ علیؑ نے یہ حدیث بیان کی اور یہ لقب ان پر ایسا منطبق ہوا کہ وہ 'عقیلہ' کے نام سے مشہور ہوگئیں'' اور ان کی اولاد اس لقب سے مشہور ہوکر (بنی عقیلہ) کہلاتی تھی''۔

بھائیوں کا بہن سے مشورہ

جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا بھائیوں سے ۶/۵ سال چھوٹی تھیں صلاحیت و خوش نظمی کا یہ عالم تھا کہ بڑے بھائی بھی اہم معاملات بہن کے مشورے کو اہمیت دیتے تھے۔ خاتونِ جنّت کے انتقال کے بع کے امور نہایت خوش اسلوبی سے جناب فضّہ نوبیہ☆ کی مدد سے چلاتی ر سچ تو یہ ہے کہ ماں کے بعد ان کی قائم مقام و جانشین اور ان کی ح

☆فضّہ نوبیہ کہنے کو تو خاتونِ جنّت کی خادمہ تھیں لیکن حقیقت میں انہیں خاندان کے آ کا رتبہ حاصل تھا۔ مشرقی افریقہ میں سرخ پہاڑوں کا ایک وسیع و عریض سلسلہ ہے کے دامن میں 'نوب' واقع ہے۔ جناب فضّہ کا یہی آبائی وطن تھا۔ اسی واسطہ سے آ نوبیہ کہلائیں۔ آپ مدینہ کب پہنچیں روایات میں اختلاف ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہجرت کے دوسرے یا تیسرے سال مدینہ میں ورود ہوا۔

کی حامل ثابت ہوئیں۔ بھائی یعنی امام حسنؑ اور امام حسینؑ گو سن و سال میں بڑے تھے لیکن بہن کی از حد توقیر کرتے تھے۔ وہ اپنے گھر میں بھائیوں سے چھوٹی ہونے کے باوجود بڑی اہمیت کی حامل رہیں۔ جوں جوں ان کی عمر بڑھتی گئی اس خاندان میں ان کی مرکزیت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ دونوں بھائی اپنے تمام خاندانی معاملات میں بہن سے مشاورت کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے۔ یہاں تک کہ امام حسینؑ نے یزید کی بیعت اور مدینہ سے مکّہ اور مکّہ سے عراق ہجرت کرنے کے سلسلے میں بھی بہن سے رائے لی۔ خود راہِ کربلا اور میدان کربلا میں ہر ہر قدم پر بھائی کی بہن سے مشورت کے بے شمار واقعات تاریخ میں ملتے ہیں ۔

والدِ محترم (حضرت علیؑ) نے بھی بیٹی کی پرورش میں خصوصی دلچسپی لی اور نہایت شفقت و محبت سے تربیّت کے مراحل طے کرائے۔ کیوں نہ ہو علیؑ مرتضیٰ نے دیکھا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنی بیٹی (خاتونِ جنّت) کی کس شفقت و محبت سے پرورش کی تھی! حضرت علیؑ کی اپنی بیٹی کی پرورش میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا پرتو جلوہ گر تھا۔

بچپن کی تربیّت کے نشانات پتّھر پر لکیر کے مانند ہوتے ہیں جو زندگی کے آخری ایام تک نمایاں رہتے ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے:

اَلعِلْمُ فِي الصَّغَرِ کَا النَّقْشِ فِی الْحَجَرِ
بچپن کی تربیت پتّھر پر لکیر کے مانند ہوتی ہے۔
(حدیث رسولؐ)

اسی تعلیم تربیّت کا مظاہرہ حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا نے تمام
کیا۔ والدین کا گھر ہو، شوہر کا گھر ہو، مدینہ ہو، مکّہ ہو، کربلا ہو، ک
ہو، شام کا بازار ہو یا دربارِ شام ہو، کہیں بھی آپ کے پائے ثبات
کبھی بھی لغزش پیدا نہیں ہوئی اور آپ ہر حال میں راضی بہ رضا رہیں۔ د
شام میں بھی تمام تر آلام و مصائب کے باوجود پرسکون اور پُر وقار رہیں۔

فقر ، فخر است اگر فارغ از عالم باشد
انکه از خویش گزر کرد، چه اش غم باشد
فقر باعث عزت ہے چاہے مال دنیا میں ایک تنکا بھی نہ ہو
اور جس نے اپنے آپ کو راہِ حق میں قربان کر دیا اسے کیا غم۔
(امام خمینیؒ)

خاتونِ جنّت کی رحلت کے بعد حضرت علیؑ نے جنابِ امّ البنین
جناب اسماء بنت عمیسؓ خشعمیہ جیسی صاحبِ کردار اور عالی مرتبت خوا
سے عقد کیا☆ ان محترم خواتین نے بھی حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا پر
اولاد سے زیادہ توجّہ دی کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حضرت علیؑ اور ختمی مرت
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کس قدر حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا سے مح
کرتے تھے۔ علیؑ و فاطمہؑ کی اولاد ہی کو فرزندانِ نبی اکرم صلی اللہ علی
آلہ وسلّم کہا جاتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا کوئی بیٹا حیات نہ
رہا۔ تین بیٹے پیدا ہوئے لیکن کم سنی میں ہی مالک حقیقی سے جاملے۔

☆ ان خواتین کی تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں "شہیدِ اعظم، حسین علیہ السلام" مصنف۔ سید علی اکبر رض

زینب سلام اللہ علیہا کا جناب عبداللہ سے عقد

لڑکیاں والدین کے گھر میں کسی کی امانت ہوتی ہیں شوہر کا گھ کا اپنا گھر ہوتا ہے اور اس گھر کی وارث ہوتی ہیں۔ جناب زینب اللہ علیہا کی شادی کا وقت آیا، رشتے آنے شروع ہوئے۔ ثانیٔ زہرا اللہ علیہا کے خواستگاروں میں ایک عبداللہ بن جعفر طیارؓ بھی تھے۔ ع بن جعفر طیارؓ حضرت علیؑ کے خانۂ اقدس میں آمد و رفت رکھتے تھے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد☆ حضرت علیؑ ان کے کفیل عبداللہ اور ان کے دوسرے بھائی جناب امیرؑ کی تربیت میں تھے او کے کردار اور اخلاق سے بخوبی واقف تھے۔ بنی ہاشم اور قریش باوجاہت شریف زادوں کا ایک گروہ حضرت زینبؑ سے عقد کر خواستگار تھا لیکن عقیلۂ بنی ہاشم اور آلِ محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے شگفتہ پھول کے لئے حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ سب سے زیادہ مو قرار پائے۔

پس جناب عبداللہ نے ایک قاصد کے ذریعے حضرت علیؑ کی خد میں درخواست پیش کی۔ حضرت علیؑ نے اس بات کو بہت پسند فرمایا باقی تمام درخواستیں مسترد کر کے اپنے بڑے بھائی اور رسول اللہ صلی

☆ حضرت جعفر طیارؓ کی شہادت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ان کی او اپنی کفالت میں لے لیا تھا۔

علیہ وآلہ وسلّم کے چچیرے بھائی حضرت جعفر طیارؓ کے فرزند عبداللہ کو دامادی کا شرف بخشا۔☆

شادی میں وہی سامان کیا گیا جو جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا کی ماں کے ہاں تھا۔ وہی جہیز دیا گیا جیسا ماں کو ملا تھا۔ مہر بھی وہی رکھا جو مہر فاطمہ سلام اللہ علیہا تھا (مہرِ فاطمی مبلغ پانچ سو درہم)۔ گویا عقد زینب سلام اللہ علیہا میں حضرت علیؑ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تاسّی کی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ رشتہ ۱۶ھ میں طے پایا۔

جناب عبداللہ کی اولاد

جناب عبداللہ کی جناب زینبؑ سے پانچ اولاد ہوئی تھیں۔ چار بیٹے علی، عون، محمّد، عبّاس اور ایک بیٹی امِّ کلثوم۔ عون اور محمّد حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا کے ساتھ کربلا میں موجود تھے یکے بعد دیگرے مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ دونوں صاحبزادے کم سن تھے ان کی عمریں نو اور دس سال کی تھیں۔ بہن کا بھائی پر دو بیٹوں کو قربان کرنا تاریخ کی نادر و نایاب مثال ہے۔

پسرانِ عبداللہ، عون و محمّد کی نسل آگے نہ چل سکی کیونکہ دونوں

☆ حضرت علیؑ پیغمبر اسلام کی زبانِ مبارک سے وہ جملہ سن چکے تھے جو آنحضرت نے علیؑ و جعفرؓ کی اولاد کی بابت فرمایا تھا "بنا تنا بنینا و بنونا بنا تنا" یعنی ہماری بیٹیاں ہمارے بیٹوں کیلئے اور ہمارے بیٹے ہماری بیٹیوں کیلئے ہیں' چنانچہ جناب زینب بنت علیؑ کا عقد عبداللہ بن جعفر طیارؓ سے اور زینب صغریٰ یعنی اُمّ کلثوم کا عقد عون بن جعفر طیارؓ سے ہوا۔

پسرانِ عبداللہ میدان کربلا میں شہید ہوئے، لہٰذا حضرت عبداللہ کی اولاد سے حضرت جعفر کی نسل پھیلی۔

بقول شیخ محمّد عبّاس قمی عبداللہ کے مختلف بیویوں سے بیس فرزند علی، عون، اکبر، محمّد، عبّاس، امِّ کلثوم ان پانچوں کی والدۂ گرامی جناب بنت علیؑ تھیں۔ جناب علی بن عبداللہ کی اولاد باقی رہی اور زینبی کہلائی(

عبداللہ بن جعفر طیّار

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے جناب عبداللہ حضرت زینب سلام علیہا کے شوہر حضرت جعفر طیّارؓ کے بیٹے تھے۔ حضرت جعفر طیّارؓ نے کے پانچویں سال حبشہ ہجرت کی تھی اور حبشہ کے بادشاہ سے ختمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی رسالت اور اسلامی عقائد بیان فرمائے تھے نہایت خوبصورتی سے آیاتِ قرآنی سنائی تھیں۔(۲) جس کے بعد ہی حبشہ

(۱) دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب، ص ۱۹۶۸ء۔ ۵۷۰، جلد ۱۰۔

(۲) حبشہ میں مسلمان مہاجرین نے جعفرؓ ابن ابی طالب کو اپنا رہنما بنایا اور بادشاہِ حبش دربار میں نمائندگی کے لئے روانہ کیا۔ جعفرؓ ابن ابی طالب نے ملکی حالات کا جائزہ پیش اور فرمایا، "ہماری حالتِ زار پر رحم فرما کر اللہ تعالیٰ نے ایک نبی بھیجا۔ اس رسولؐ نے خدا کی عبادت سکھائی۔ سچائی اور نیکی کی طرف بلایا اور بتوں سے نفرت دلائی"۔ بادشا سوال کیا، "کیا تمھارے رسولؐ نے کوئی ایسا کلام سنایا جوان پر نازل ہوا ہو"؟۔ حضرت نے قرآن مجید سورۂ مریم کی تلاوت کی اور ایک سے لے کر چالیسویں آیت تک بادشاہ سنتا رہا اور متاثر ہوتا رہا۔ آخر ش وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلام بھی عیسائیت کوئی مذہب ہے۔ بادشاہ نے مشرکینِ مکّہ کی درخواست رَد کردی اور مسلمانوں کو حبش رہنے کی اجازت دے دی۔

مزید تفصیل تاریخ اسلام کا سفر حصّہ اول میں دیکھی جاسکتی ہے۔

شاہ نے مہاجرینِ مکّہ کو وہاں قیام اور ذریعۂ معاش کے حصول کی
زت دی تھی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ تم لوگ اس زمین پر امن میں
اور جو تمہاری برائی کرے گا وہ سختی میں مبتلا ہوگا، پھر جو تمہیں بُرا بھلا
ے گا وہ نقصان اٹھائے گا۔ یہ بات اس نے تین بار دہرائی۔ حبشہ میں دس
ہ قیام کے دوران جعفر بن ابی طالب کے تین فرزند تولّد ہوئے عبداللہ،
ن اور محمّد، ان میں سب سے بڑے بیٹے عبداللہ تھے۔☆

حضرت جعفر طیارؓ

جنگ موتہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت جعفر کو
ب سالار مقرر فرمایا تھا، جناب زید بن حارثہؓ شہید ہوئے تو پرچم اسلام
فر بن ابی طالبؓ نے سنبھالا، وہ پرچم لہراتے ہوئے لڑتے رہے،
ں تک کہ دشمن نے ان کا داہنا ہاتھ کاٹ دیا تو پرچم بائیں ہاتھ میں
بھالا، وہ بھی کاٹ دیا گیا، اب دونوں بازوؤں میں پرچم کو سینہ سے
کر تھاما اور اسی حالت میں شہید ہوگئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۳ سال
ں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جنّت میں دو بازو عطا فرمائے اور آنحضور صلی
ہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے "طیار" کا لقب عطا فرمایا۔ یہاں حضرت جعفر طیارؓ کی
صل حالاتِ زندگی لکھنا مقصود نہیں صرف واقعات کے تسلسل کو برقرار

☆ حبشہ میں قیام کے دوران حضرت جعفر کا حبشہ کے بادشاہ نجاشی پر اتنا اثر ہو گیا کہ
ب اس کے یہاں بچّہ پیدا ہوا تو عبداللہ کے نام پر اس نے بھی اپنے بیٹے کا نام
بداللہ" رکھا اور اسماء بنت عمیسؓ کی تربیت میں دیا۔

رکھنے کے لئے مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔
حضرت جعفر طیّار کی زندگی کے مفصّل حالات "تاریخِ اسلام کا سفر" (حصہ اوّل) میں ملاحظہ فرمائیے۔
جناب عبداللہ جناب اسماء بنت عمیسؓ خشعمیہ زوجہ جعفر طیّارؓ کے بطن سے حبشہ میں پیدا ہوئے تھے۔ حضرت جعفر طیّارؓ کی شہادت کے بعد جناب اسماء بنت عمیسؓ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ کے عقد میں آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے انتقال کے بعد آپ حضرت علیؑ کے عقد میں آئیں اور اپنے ساتھ محمّد بن ابی بکرؓ اور ایک بچّی امّ کلثوم(۱) کو ساتھ لائیں۔ دونوں بچوں کی پرورش حضرت علیؑ کے گھر میں ہوئی، اسی گھر میں پلے بڑھے اور جوان ہوئے۔ حضرت علیؑ نے اپنی خلافت کے دور میں حضرت محمّد بن ابی بکرؓ کو مصر کا گورنر مقرر کیا تھا جن کو امیرِ شام کے حامی عمرو بن عاص اور معاویہ بن حدیج کندی نے مردہ گدھے کی کھال میں سی کر نذرِ آتش کر دیا تھا۔ اس حادثہ سے قبل محمّد بن ابی بکرؓ نے جنگِ جمل میں حضرت علیؑ کی طرف سے بھرپور حصّہ لیا تھا۔(۲)
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جناب عبداللہ بن جعفر طیّارؓ کی زندگی کے

(۱) انہیں ام کلثوم جو حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی حضرت علیؑ کی ربیبہ (لے پالک) تھیں، بعض روائتوں کے مطابق حضرت عمرؓ سے نکاح ہوا جس کا چرچا کچھ روایتوں نے غلط انداز میں پیش کیا۔ (واللہ الاعلم بالصواب)
(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں "تاریخ اسلام کا سفر" (حصّہ دوم) تصنیف: سیدعلی اکبر رضوی۔

حالات بھی اختصار سے لکھے جائیں تاکہ قارئین کے ذہن میں تمام واقعات مستحضر ہو جائیں اور وقتِ ضرورت آنکھوں کے سامنے پھرتے رہیں۔

عبداللہ بن جعفر طیّار بن ابی طالب ، حضرت علیؑ کے بھتیجے تھے۔ جناب عبداللہ کے پدرِ بزرگوار یعنی جناب جعفرطیّارؓ اعلانِ نبوّت کے بعد ابتداء ہی میں مشرّف بہ ایمان ہوگئے تھے۔ جناب عبداللہ کی والدہ کا نام اسماء بنت عمیسؓ خشعمیہ تھا۔ مہاجرین جب حبشہ سے واپس ہوئے تو جناب جعفرطیارؓ شریک حیات اور بیٹوں کے ساتھ مدینہ واپس آگئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم آپ کی آمد سے بہت خوش ہوئے تھے۔

محمّد بن ابی بکرؓ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے تھے اس طرح آپ والدہ کی طرف سے عبداللہ بن جعفر طیّارؓ کے بھائی ہوئے۔ حضرت علیؑ ، محمّد بن ابی بکرؓ پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ محمّد بن ابی بکرؓ نے بھی پوری طرح حقِ وفا ادا کیا۔ تفصیل ''تاریخِ اسلام کا سفر'' (حصہ دوم) میں ملاحظہ فرمایئے۔

جناب عبداللہ اپنی سخاوت کی وجہ سے بہت مشہور تھے اور ان کا اعزازی لقب ''بحرالجود'' یعنی سخاوت کا سمندر تھا آپ کا شمار مدینہ کی بہت بڑی مالدار شخصیات میں ہوتا تھا ، آپ کی دولت مندی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی دعا کا نتیجہ تھی۔ جس وقت آپ کے پدرِ بزرگوار حضرت جعفر طیارؓ شہید ہوگئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ان کے

فرزندوں کے سر پر دستِ شفقت رکھ کر اظہارِ لطف و کرم اور ان کے حق میں فرمایا، ''عبداللہ صورت اور سیرت میں میرے مشابہ ہے''۔(۱) پھر سیدھا ہاتھ پکڑ کر دعا دی:

اللّٰھم اخلف جعفر فی اھلہ و بارك لعبداللّٰه فی صفقة یمینه۔

خدا وندا! خلف جعفر کو نیک اولاد عطا فرما اور عبداللہ کو بیع اور معاملاتِ تجارت میں برکت عنایت فرما۔

اور یہ بھی فرمایا: انا ولیُھم فی الدّنیا و الاٰخرہ

یعنی میں دنیا و آخرت دونوں جگہ ان کا ولی ہوں (۲)

ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی دعا کا اثر ہوا ، جناب عبداللہ نہ صرف بہت مالدار ہوگئے بلکہ شہرت کے اعتبار سے آپ کی سخاوت بھی ضرب المثل بن گئی۔

جناب عبداللہ نے اموی حکومتی معاملات میں گو براہِ راست دلچسپی نہیں لی لیکن بے تعلّق بھی نہیں رہے۔ شام میں قیام اور جائداد اور رہائش

(۱) ابنِ حجر انہیں شبیہِ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بتاتے ہیں اور ان کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا یہ قول تحریر کرتے ہیں:

وَاَمَّا عَبدُاللّٰهِ فَیَشبَهُ خُلُقِی وَ خَلقِی

عبداللہ اخلاق و صفات میں بالکل میری شبیہہ ہے

(الاصابہ ، جلد ۳ ، ص ۴۹)

(۲) الاصابہ ، ابن حجر جلد ۳ ، ص ۴۹ ، ماخوذ از بطلة الکربلا ، ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی مصری، ص ۴۰۔

کا حصول بھی اس کا ثبوت ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور میں منصب دار بھی تھے۔ جناب ابوعبیدہ جراح کی مصر والی مہم میں ان کا نام بطور نائب افسر ملتاہے۔ رومی حملہ کے وقت وہ لشکرِ اسلامی میں شامل تھے۔ حضرت علیؑ کے دور میں جنگِ صفّین میں جناب عبداللہ فوج کے کمان دار نظر آتے ہیں۔ ان کی شجاعت و جرأت کا یہ عالم تھا کہ انہیں موت کی پروانہ تھی۔ لہٰذا امیرالمومنینؑ اکثر مواقع پر انہیں سپہ سالاری لشکر کے منصب پر فائز کرتے تھے۔ اس بات میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ امیرالمومنینؑ کی شہادت کے بعد بھی حضرت عبدا للہ حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کے ہر طرح اطاعت گزار رہے۔ حضرت امام حسینؑ سے ان کی اطاعت و ارادت کا معیار ذیل کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے:

"جب جناب عبداللہ کے صاحبزادوں عون اور محمد کی شہادت کی خبر جناب عبداللہ کو مدینہ میں ملی تو انہوں نے اپنے صاحبزادوں کے لئے مجلسِ عزا منعقد نہ کی بلکہ صرف عزائے امام حسینؑ کے لئے صفِ ماتم بچھائی۔ کہتے تھے کہ میرے بیٹوں کا الیہ مجھ پر آسان وسہل ہے کیونکہ انہوں نے میرے بھائی اور دیگر مجاہدوں کے ہمراہ جہاد و فداکاری کو اختیار کیا اور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ اگرچہ میں خود نصرتِ حسینؑ کے لئے موجود نہ تھا، اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ میرے فرزندوں نے

یہ سعادت حاصل کی"۔

حضرت عبداللہ کی کربلا میں عدم موجودگی کی وجہ

امام حسینؑ کے ساتھ حضرت عبداللہ کی اس قدر محبت و عقیدت ک
باوجود واقعۂ کربلا میں عدم موجودگی کی کئی وجوہ بیان کی جاتی ہیں تاہم ا
کی عدم موجودگی میں کسی طرح کی بے ارادتی کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا
روایت میں آتاہے کہ وہ اس زمانہ میں تقریباً نابینا ہو چکے تھے ا
صعوبات سفر یا جنگ میں شرکت کے قابل نہ تھے۔

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتاہے کہ جب امام حسینؑ نے عز
سفر کیا تو سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہا جناب عبداللہ کے پاس آئیں اور ا
سے اپنے بھائی کے ساتھ شریک سفر ہونے کی اجازت طلب کی اور اپ
شوہرِ نامدار سے کہا:

"اے میرے سرتاج! کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے بھائی کے ساتھ شریک سفرہوجاؤں؟"

عبداللہ:

"اے میری پاکباز رفیقۂ حیات! اگر مجھے یہ ناگہانی مرض لاحق نہ ہوتا تو میں بھی اپنے آقا کے ہمراہ جاتا اور ان کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل کرتا۔"

اس کے بعد جنابِ زینب صلواۃ اللہ علیہا سے ایسا جملہ کہا جو نہ فقط عبداللہؓ کی عظمت و جلالت کا ترجمان تھا بلکہ حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا کی امیدوں کی تکمیل کا سبب بھی تھا۔ عبداللہ نے کہا کہ:

''کیا آپ اس بات سے اتفاق کریں گی کہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کے سہارے بیٹے محمّد اور عون بھی اپنے ماموں کی خدمت میں اس سفر کے شریک بنیں؟''۔

عبداللہ کا یہ جملہ درحقیقت سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہا کے دل کی آواز تھی۔ چنانچہ آپ نے اس پیشکش کو اپنی سب سے بڑی خوشی قرار دیتے ہوئے قبول فرمایا۔

سیّدہ زینبؑ اپنے با معرفت اور جلیل القدر شوہر سے رخصت ہو کر اپنے دونوں نورِ نظر عون اور محمّد کے ساتھ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوگئیں۔☆

جناب عبداللہ کو یقین کامل تھا کہ حضرت امام حسینؑ مکّہ سے عازمِ سفر ہونگے۔ لیکن جب اہلِ مدینہ کو بھی علم ہوا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امامؑ کو سفر سے روکنے کی کوشش کی اور امامؑ کی خدمت میں خط لکھا:

☆ ''زینب زینب ہے''، مولف م۔صادق۔

حضرت عبداللہ کا خط حضرت امام حسینؑ کے نام

''میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ مکّہ سے نہ جائیے، آپ نے جو ارادہ کیا ہے مجھے اس سے تشویش ہے ڈرتا ہوں کہ آپؑ اور آپ کے اہلِ بیتؑ کو تہہ تیغ نہ کر دیا جائے۔ خدانخواستہ اگر آپ کو قتل کیا گیا تو زمین کا نور ختم ہو جائے گا، آپ امیرالمومنینؑ ہیں اور اس امت کے لئے چراغِ ہدایت ہیں، عراق جانے کے سلسلے میں عجلت سے کام نہ لیجئے، میں یزید اور بنی اُمیہ کے سربر آوردہ افراد سے آپؑ اور اہلِ بیتؑ کی جان و مال کے لئے امان حاصل کروں گا۔

والسلام''

ایک اور روایت کے مطابق مکّہ کے مضافات میں (مقام تنعیم پ
حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ خدمتِ امامؑ میں حاضر ہوئے، پہلے امام عا
مقام سے سفرِ عراق ترک کرنے کی درخواست کی لیکن جب امامؑ نے حک
خدا اور رسولؐ اور اپنے نصب العین کی وضاحت فرمائی تو وہ خود بھی آپ
کے ہمسفر ہونے کے خواہشمند ہوئے مگر خرابیٔ صحت کے باعث وہ ایسا
کرسکے کیونکہ تقریباً نابینا ہوچکے تھے البتہ اپنے دو صاحبزادوں عون و مح
اور اپنی شریکِ حیات جناب زینب سلام اللہ علیہا کو امامؑ کے ہمراہ کیا۔

جناب عبداللہ کی وفات

واقدی کا بیان ہے کہ جناب عبداللہ کی وفات ۸۰ھ یا ۹۰ھ میں مدینہ میں ہوئی اس وقت ان کی عمر تقریباً ۹۰ سال تھی ، یہ عبدالمالک بن مروان کا زمانہ تھا۔ جنت البقیع میں تدفین کی گئی اس طرح زینب سلام اللہ علیہا بنت علیؑ کے انتقال کے کوئی اٹھارہ برس بعد تک زندہ رہے اور ایک طویل عمر پائی۔

بہرحال حضرت امام حسینؑ اہلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ سفرِ عراق پر روانہ ہوگئے۔[۱] مختلف منازل اور مراحل سے گزرتے ہوئے کربلا کے میدان میں ۲ محرم ۶۱ھ کو خیمہ زن ہوئے۔[۲]

(۱) ۲۸ رجب ۶۰ھ مدینہ سے روانہ ہوئے ، ۳شعبان ۶۰ھ کو مکہ وارد ہوئے، حج کو بوجوہ عمرہ میں تبدیل کیا اور ذی الحجہ ۶۰ھ کی سات یا آٹھ تاریخ کو عراق کے لئے روانہ ہوگئے۔ تفصیل ''شہیدِ اعظم، حسین علیہ السلام'' میں ملاحظہ فرمائیے۔

(۲) تفصیل کے لئے ''شہیدِ اعظم، حسین علیہ السلام'' از : سید علی اکبر رضوی ۔

قافلۂ حسینی کی کربلا میں آمد اور شہادت

اب میں آپ کی خدمت میں ۱۰ر محرّم کی شام (شامِ غریباں) پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ واقعات کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے ۱۰ر محرم ۶۱ھ کی اذانِ صبح سے ابتداء کر رہا ہوں لیکن روزِ عاشور کی تفصیل لکھنا مقصود نہیں۔[۱]

دس محرّم ۶۱ھ نمازِ صبح کی اذان امامِ مظلوم کے کڑیل جوان فرزند ارجمند حضرت علی اکبرؑ نے دی۔ نمازِ صبح کے ساتھ ہی قتال شروع ہوگیا۔ وقت عصر ہوتے ہوتے نبی آخر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا پورا کنبہ اور ان کے تمام رفقاء جامِ شہادت پر فائز ہوچکے تھے۔

اب صرف نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ، ایک شیرخوار بچّہ اور امامِ مظلومؑ کا ایک بیٹا علی (زین العابدینؑ) کربلا کے جلتے تپتے[۲] میدان

(۱) تفصیل کے لئے ''شہیدِ اعظم، حسین علیہ السلام'' ملاحظہ فرمائیے۔ از : سید علی اکبر رضوی

(۲) وہ کربلا کی رات وہ ظلمت ڈراونی — وہ مرگ بے پناہ کے سائے میں زندگی
وہ اہلِ حق کی تشنہ دہاں مختصر* سپاہ — باطل کا وہ ہجوم کہ اللہ کی پناہ
وہ دل بجھے ہوئے وہ ہوا تھمی ہوئی — وہ ایک بہن کی بھائی پہ نظریں جمی ہوئی
(جوش ملیح آبادی)

* دشمناں چوں ریگِ صحرا لاتعد — دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد
ان کے دشمن صحرا کی ریت کی طرح بے حساب تھے اور ان کے دوستوں کی تعداد یزداں کے اعداد کے مطابق یعنی ۷۲ تھی۔
(علامہ اقبال)

جناب عبداللہ کی وفات

واقدی کا بیان ہے کہ جناب عبداللہ کی وفات ۸۰ھ یا ۹۰ھ میں مدینہ میں ہوئی اس وقت ان کی عمر تقریباً ۹۰ سال تھی ، یہ عبدالمالک بن مروان کا زمانہ تھا۔ جنت البقیع میں تدفین کی گئی اس طرح زینب سلام اللہ علیہا بنت علیؑ کے انتقال کے کوئی اٹھارہ برس بعد تک زندہ رہے اور ایک طویل عمر پائی۔

بہرحال حضرت امام حسینؑ اہلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ سفرِ عراق پرروانہ ہوگئے۔[1] مختلف منازل اور مراحل سے گزرتے ہوئے کربلا کے میدان میں ۲ محرم ۶۱ھ کو خیمہ زن ہوئے۔[2]

(۱) ۲۸ رجب ۶۰ھ مدینہ سے روانہ ہوئے ، ۳شعبان ۶۰ھ کو مکّہ وارد ہوئے، حج کو بوجوہ عمرہ میں تبدیل کیا اور ذی الحجہ ۶۰ھ کی سات یا آٹھ تاریخ کو عراق کے لئے روانہ ہوگئے۔ تفصیل ''شہیدِ اعظم،حسین علیہ السلام'' میں ملاحظہ فرمائیے۔

(۲) تفصیل کے لئے ''شہیدِ اعظم،حسین علیہ السلام'' از : سید علی اکبررضوی ۔

قافلۂ حسینی کی کربلا میں آمد اور شہادت

اب میں آپ کی خدمت میں ۱۰ر محرّم کی شام (شامِ غریباں) پ
کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ واقعات کے تسلسل کو قائم رکھنے
لئے ۱۰ر محرم ۶۱ھ کی اذانِ صبح سے ابتداء کر رہا ہوں لیکن روزِ عاشور
تفصیل لکھنا مقصود نہیں۔[1]

دس محرّم ۶۱ھ نمازِ صبح کی اذان امامِ مظلوم کے کڑیل جوان فر
ارجمند حضرت علی اکبرؑ نے دی۔ نمازِ صبح کے ساتھ ہی قتال شروع ہوگ
وقت عصر ہوتے ہوتے نبی آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا پورا کنبہ اور
کے تمام رفقاء جامِ شہادت پر فائز ہوچکے تھے۔

اب صرف نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ، ایک شیرخوار بچّہ
امامِ مظلومؑ کا ایک بیٹا علی (زین العابدینؑ) کربلا کے جلتے تپتے[2] مید

(۱) تفصیل کے لئے ''شہیدِ اعظم،حسین علیہ السلام'' ملاحظہ فرمائیے۔ از : سید علی اکبر رضو

(۲) وہ کربلا کی رات وہ ظلمت ڈراؤنی — وہ مرگ بے پناہ کے سائے میں ز
وہ اہلِ حق کی تشنہ دہاں مختصر* سپاہ — باطل کا وہ ہجوم کہ اللہ کی
وہ دل بجھے ہوئے وہ ہوا تھمی تھمی ہوئی — وہ ایک بہن کی بھائی پہ نظریں جمی
(جوش ملیح آباد

* دشمناں چوں ریگ صحرا لاتعد — دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد
ان کے دشمن صحرا کی ریت کی طرح بے حساب تھے اور ان کے دوستوں کی تعداد یزداں کے اعداد کے مطابق یعنی ۷۲ تھی۔ (علامہ اقبالؒ)

میں تین شب و روز کے بھوکے پیاسے موجود ہیں۔ امامِ مظلوم بڑے بیٹے (علی زین العابدینؑ) کو میدانِ شہادت میں نہ بھیج سکے کیونکہ علی (زین العابدینؑ) سخت علیل تھے اور ان پر غشی کا عالم طاری تھا۔ غشی اور بیماری مصلحتِ خدا وندی تھی کہ کم از کم ایک فرد خاندانِ نبوّت کا بچ جائے تاکہ نسلِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم قائم رہے اور آیت:

إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنْحَرْ۔ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ ٱلْأَبْتَرُ

ہم نے تو آپؐ کو کثرت نسل عطا کی ہے تو آپ اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھتے رہیے اور قربانی کرتے رہیے، یقیناً آپ کا دشمن ہی بے اولاد ہوگا۔

کا مصداق بنے۔

اس سلسلے میں عبد العزیز سید الاھل اپنی کتاب امام زین العابدینؑ صفحہ ۳۲ (ترجمہ عبدالصمد صارم الازہری) تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت حسینؑ کی نرینہ اولاد میں سے تنہا علیؑ ہی تھے جو زندہ مدینے پہنچے تھے۔ ان کے سر پر اب سوائے خدا کے کسی کا سایہ نہ تھا۔ خدا ہی کا ہاتھ تھا جو ان کی طرف بڑھا، ان کی حفاظت و حمایت کی اور نجات بخشی حالانکہ ان کے بھی شہید ہو جانے میں کوئی کسر باقی نہ تھی۔ چنانچہ کربلا کے واقعہ کے بعد ابن زیاد اور خود یزیدی اس پر معترض تھے کہ یہ لڑکا کیوں بچ گیا لیکن ان پر خدا کا سایہ تھا۔ بیماری اور جسمانی

ضعف کے پردے ان کے لئے ساتر بن گئے۔ دشمنوں کی آنکھیں ان کی طرف سے اندھی ہو گئیں اور ان کے دلوں کی خواہش پر پتھر رکھ دیا۔ جب یہ پردہ ان سے ہٹا تو دنیا کو خدا کی حکمت اور اس کا ان پر احسان فرمانا سمجھ میں آگیا"۔

شہادت حسینؑ(۱) کے ساتھ ہی حکمِ خدا کا پہلا جز پورا ہوا اور حسینؑ ک
لئے جو کچھ قضا و قدر سے طے ہو چکا تھا اختتام پذیر ہوا۔(۲)

دسویں محرّم ۶۱ھ کا آفتاب اس حال میں غروب ہوا گویا زمین کر
خون میں غلطاں تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اولاد کے بد
کے گراں قدر ٹکڑے زمین پر بکھرے ہوئے تھے۔

دن گزرا، چاند نمودار ہوا اور ہلکی سی روشنی زمین پر ڈالی، اس چاند
میں زینبؑ مع چندبچوں اور ان عورتوں کی ایک جماعت کے جن کے

---

(۱) چوں یاد آورم روزِ خونِ حسینؑ
شود پشتم از رنج نونِ حسینؑ
مجھے جب شہادت حسینؑ کا دن یاد آ جاتا ہے تو میری کمر ٹوٹ کر لفظِ حسینؑ کے "نون" کی طرح بن جاتی ہے۔ (نصیر چلاتی)

(۲) يَٰٓأَيَّتُهَا ٱلنَّفْسُ ٱلْمُطْمَئِنَّةُ ٱرْجِعِيٓ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَٱدْخُلِي فِي عِبَٰدِي وَٱدْخُلِي جَنَّتِي
اے پورا اطمینان رکھنے والے نفس تو پلٹ آ اپنے پروردگار کی طرف اس طرح کہ تو اس سے خوش رہے وہ تجھ سے خوش ہو۔ پھر تو میرے (برگزیدہ) بندوں میں شامل ہو جا اور میری بہشت میں داخل ہوجا۔ (سورہ الفجر ۸۹، آیت ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰)

شہید ہو چکے تھے کھڑی دلاسا دیتی رہیں۔ جرأتِ زینب صلواۃ اللہ علیہا۔ اللہ اکبر۔

تھوڑے فاصلے پر عمر ابن سعد مشعل کی روشنی میں شہداء کے سروں کو گن رہا تھا اور اہلِ لشکر خیامِ اہلِ بیتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو لوٹ کر آگ لگا چکے تھے اور اب صرف میدان کربلا میں دھواں اُٹھ رہا تھا اور شامِ غریباں کے اندھیرے میں اضافہ کر رہا تھا۔

جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا اس دلخراش حادثے کو دیکھتی رہیں اور خدا کا شکر ادا کرتی رہیں اور بچپن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جو کچھ فرمایا تھا اسے میدانِ کربلا میں عملاً دیکھ رہی تھیں۔ زینب صلواۃ اللہ علیہا کا نام تاریخ میں بطور ''کربلا کی شیر دل خاتون'' ہمیشہ روشن رہے گا۔ زینب صلواۃ اللہ علیہا تیرا نام تا ابد زندہ و تابندہ رہے گا۔

جہادِ جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کی ابتداء

قافلہ کربلا سے چل نکلا
زینبؑ اب امتحان میں آئی

شہادتِ حسینؑ کے بعد پہلی رات قیامت کی رات تھی ، ہر طرف دشمن کا نرغہ تھا ، نہ کوئی مونس تھا نہ غمخوار ، صرف خالق کائنات کی ذات تھی جس پر کامل بھروسہ تھا ، اس بھیانک رات میں شیرِ خدا کی بیٹی ،

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نواسی اور شہیدِ کربلا کی شریکِ کار حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا ہاتھ میں ایک ٹوٹا ہوا نیزہ لئے اس ... ہوئے قافلے کی حفاظت کر رہی تھیں۔ کبھی وہ بیبیوں کو صبر کی تلقین کر... کبھی خوفزدہ بچوں کی ڈھارس بندھاتیں اور کبھی بیمار بھتیجے کی تیمارداری ... مصروف ہو جاتیں۔ حسینؑ کے بعد خواہرِ حسینؑ پر بڑی ذمہ داریاں ... پڑیں تھیں۔ آپ ملاحظہ فرمایئے، بلند حوصلہ خاتون کس جرأت سے د... مصائب کا مقابلہ کرتی ہیں☆۔

رات کھلے آسمان تلے بسر ہوئی۔ صبح ہوئی ، نبیؐ زادیاں و دیگر ... بچیاں اور خواتین سب قید ہوئے اور بے کجاوا اونٹوں پر سوار کئے گئے ... کے باوجود حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے۔ رنج و غم اور دل پر عزیز... کے داغ کا ذکر تو فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔

ابھی چند دن پہلے جب یہ قافلہ واردِ کربلا ہوا تھا تو اس کے س... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا پورا کنبہ تھا۔ ازروئے آیۂ قرآن:

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَ...

☆ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَ... مِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا۔

ایمان والوں میں کچھ اشخاص ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا اُسے جو انہوں نے اللہ سے عہد و پیمان کیا تھا تو ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے اپنا وقت پورا کر لیا اور ان میں سے کچھ انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے بات میں ذرا بھی تبدیلی نہیں کی۔ (سورۃ الاحزاب ۳۳، آیت ۲۳)

نُفسِ وَالثَّمرٰتِ وَ بَشِّرِالصّٰبِرِیْنَ۔ اَلَّذِیْنَ اِذَآاَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰاجِعُوْنَ۔

اور ہم تمہیں کچھ خوف، بھوک اور مال وجان اور ثمرات کے (نقصانات) سے ضرور آزمائیں گے،ان صبر کرنے والوں کو خوش خبری دیجئے اور جو مصیبت میں مبتلا ہونے کی صورت میں کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں ر اسی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔ (سورۃ البقرہ ۲،آیت ۱۵۵، ۱۵۶)

جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا مندرجہ بالا آیت کا عملی مظاہرہ فرما رہی ہیں۔ دنیا آج تک حیران ہے کہ زینب صلواۃ اللہ علیہا نے تمام مصائب برداشت کئے اور اُف تک نہ کی اور ہرحال میں راضی برضا رہیں۔

اس واقعہ کو جناب رازق الخیری ابن علاّمہ راشد الخیری نے اپنی کتاب ''سیّدہ کی بیٹی'' میں یوں بیان کیاہے:

''ٹھیک اس وقت جب مسجدوں میں نماز عصر ادا ہو رہی تھی کربلا کے ریگستان میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے پیاروں کے قتل اور بربادی پر شادیانے بج رہے تھے۔ ادھر فتح کے نقارے اور کامیابی کے قہقہے تھے اور اِدھر حسینی خیموں میں آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کررہے تھے''۔

اہلِ بیت رسولؐ کی کربلا سے کوفہ روانگی

جب کاروانِ اسراء صحرائے کربلا سے ۱۱ محرم الحرام ۶۱ھ کو چلنے لگ
سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہا نے اپنے مظلوم بھائی کی نعش کی طرف حسر
بھری نگاہوں سے دیکھا اور اپنے ماں جائے کا آخری دیدار اس حا
میں کیا کہ سر کے بال کھلے ہوئے اور بے کجاوہ اونٹ پرسوار تھیں۔
زہرا صلواۃ اللہ علیہا نے دیکھا کہ مظلومِ کربلا کی سربریدہ نعش میدانِ ک
میں بے گور و کفن پڑی ہے۔ ظالموں نے امام عالی مقام کے
اطہر سے لباس بھی اتار لیا ہے (صرف وہ پرانا لباس جسمِ اطہر پر تھ
امامِ مظلومؑ نے آخری وقت میں مقتل میں جانے سے پہلے پہن لیا تھا)
کی بیٹی اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکیں ، مدینہ کی طرف رُخ کرکے اپنے
بزرگوار جناب رسولؐ خدا سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''ناناجان! یہ حسینؑ جسے آپ اپنی آغوشِ محبت میں بٹھا کر اپنی عنایت و شفقت سے نوازتے تھے اور اسے سینہ سے لگا کر اس کی پاکیزہ جبین کے بوسے لیتے تھے ، آج بے گور وکفن صحرائے کربلا کی تپتی ریت پر پڑاہے۔ اس کے مقدس سر کو نہایت بے دردی سے کاٹ کر نیزے پر بلند کر دیا گیا ہے،

نانا جان! ستم پرور افراد اور بدنام خاندانوں کے لوگوں نے مظلوم کربلا کے نازنین بدن کو گھوڑوں کے سموں سے پامال کردیا ہے۔

ناناجان! ہم اہلِ بیت آج دیارِ غربت میں بے سہارا ہیں اور فاسق و فاجر لوگوں کے ہاتھوں اسیر ہو کر اپنے عزیزوں کو صحرائے کربلا میں تنہا چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ نانا جان! ہماری غربت و مظلومیت اور اسارت پر گواہ رہنا''۔

اللہ تعالیٰ سے اپنی مصیبت کا اظہار انسانی فطرت کا تقاضہ ہے جو جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا نے پورا کیا۔

امامِ مظلوم کی بہنوں، بچّیوں اور دیگر اہلِ بیتؑ و انصار کے بازو رسّی سے باندھے گئے تھے اور عابدِ بیمار کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، پیروں میں بیڑیاں اور گلے میں خاردار طوق ڈالا گیا اور بے محمل اونٹ پر سوار کیا گیا، ظلم کی انتہا یہ کہ مخدّراتِ عصمت و طہارت کے سروں کی چادریں بھی چھین لی گئی۔ ستم بالائے ستم لشکر ابن زیاد نے قافلہ کو مقتل کی طرف سے گزارا تاکہ اہلِ بیت رسولؐ کو زیادہ سے زیادہ صدمہ پہنچے، لیکن ان کو وہاں رکنے کی اجازت نہیں دی کہ لاش ہائے شہداء کو دل بھر کے دیکھ سکیں۔ عمر ابن سعد یہ بھول گیا کہ جو لوگ راہِ حق میں بخوشی قربانیاں پیش کرتے ہیں ہر حال میں راضی برضا رہتے ہیں اور تمام تر مصائب کے باوجود پالنے والے کا شکر ادا کرتے ہیں۔ کیا ظالموں کو پتہ نہیں تھا کہ یہ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے گھرانے والے ہیں؟۔

اس سلسلے میں علامہ راشدالخیری اپنی کتاب ''سیّدہ کا لال'' صفحہ ٦١ میں فرماتے ہیں:

''جب قافلہ روانہ ہوا تو سب سے آگے اونٹ پر علیؑ کی بیٹی، بہو اور عابد بیمار مشکیں بندھی ہوئی سوار تھے۔ یہ وہ درد ناک منظر تھا جس کو انسانی آنکھیں آسانی سے نہ دیکھ سکتی تھیں۔ بیمار کو غش پر غش آ رہا تھا۔ ماں اور پھوپھی سنبھالتے تھے مگر اُس کی زبان سے حسینؑ کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا''۔

کربلا کے ریگستان کا ذرّہ ذرّہ اپنے مہمان کی مصیبت پر ڈاڑھیں مار رہا تھا۔ چاند روتا پیٹتا طلوع ہوا اور تارے چیختے چلاّتے نمودار ہوئے۔ عمر سعد، شمر اور خولی چاندنی رات کا لطف اُٹھاتے ایک اور پڑاؤ پ ٹھہرے۔ پہرہ میں سختیاں کر دی گئیں اس لئے کہ قیدی بھاگ نہ جائیں رسّیاں کھینچ کر مضبوط کردی گئیں۔

رات ایک ہی تھی آسمان و زمین وہی تھے۔ چاند اور تاروں میں کوئی فرق نہ تھا۔ مگر عمر سعد، شمر اور خولی کی (خواہش) اُمیدوں سے ہری بھری اور توقعات سے لبریز تھی۔ آخر خدا خدا کر کے صبح صادق نمودار ہوئی اور جنگل بیاباں میں عابد بیمار کی صدائے توحید نے شجر و حجر کے کلیجے تو دیئے۔ وہ تینوں پڑے ہنستے اور آوازے کستے رہے اور اِن تینوں

بندھے بندھے نماز فجر ادا کی ، رات کی تاریکی آہستہ آہستہ فنا ہو رہی تھی اور قدرت نے دن کی روشنی کی ہلکی سی چادر جنگل میں بچھانی شروع کردی تھی۔ ہوا کے جھونکے ٹھنڈے تھے اور پرندوں کا نغمہ فضائے آسمانی میں تیر رہا تھا کہ زمین سے زینب بنتِ علیؑ کی یہ دُعا جنگل میں گونجی:

”خالق الموجودات! حسینؑ کے بعد زینب سلام اللہ علیہا کی پہلی رات ختم ہوئی۔ رات کس طرح کٹی اور دل پر کیا گذری؟ اِس کا حال تیرے سوا کوئی نہیں جانتا۔ زمین سانپ بن کر ڈستی رہی اور آسمان پہاڑ کی طرح ٹوٹتا رہا۔ مگر تقدیر میں اب بھی موت نہ تھی۔ الہٰ العالمین تجھ کو معلوم ہے کہ ہوش سنبھالنے کے بعد آج پہلی مرتبہ تیرے حضور میں اس طرح حاضر ہوئی ہوں کہ ایمان ملامت کر رہا ہے۔ لیکن تو جانتا ہے کہ میں مجبور ہوں۔ مجھے پانی میسّر نہیں کہ وضو کرتی۔ مٹی نصیب نہیں کہ تیمّم کرتی۔ میری گردن اور ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ رکوع کے لائق ہوں نہ سجدے کے۔ اے عالم الغیب ہم تینوں کی یہ نماز قضا کے برابر ہے مگر جس طرح بھی ہوسکی پڑھی۔ اگر قبول فرمائے تو بندہ نواز ہے“۔

زینبؑ کی اس دُعا سے عمر سعد قریب آیا اور کہا:

”اگر پھندہ سخت ہے تو مجھ سے کہہ دیتیں۔ میں ڈھیلا کر

دیتا۔ نماز کا یہ عذر غلط ہے“۔

بی بی زینبؑ نے آہستہ سے فرمایا:

”جس سے عذر کر رہی ہوں وہ دیکھ رہا ہے کہ ہم تینوں کے جسم تیری رسیوں سے نیلے پڑ چکے۔ اے عمر سعد شرم کا وقت ہے۔ میں نے اپنے بچّے کا بخار اپنے ماتھے کو اس کی گردن پر رکھ کر دیکھا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ ایمان و انصاف دربارِ یزید سے رخصت ہوچکے کہ ابن زیاد جیسا روسیاہ اور تجھ جیسا سنگ دل مخلوقِ خدا کے حاکم ہوئے۔ ذرا اس کے جسم کو ہاتھ لگا۔ یہ بخار میں جھلس رہا ہے ، او روسیاہ! یہودی بیمار بھیڑ کو قربانی تک کے واسطے جائز نہیں سمجھتے۔ تو نے رسول اللہ کے مریض نواسے کو قیدی بنایا ہے۔ بنو فاطمہ دنیا سے رخصت ہو چکے اُن کی ایک نشانی عابد بیمار زندہ ہے جس کا تماشا دکھانے تو ابنِ زیاد اور یزید کی قربان گاہ میں لے جا رہا ہے عمر سعد ، شمر اور خولی ایمان کی آنکھوں میں اپنے اعمال کو پرکھو اور انتظار کرو اُس دن کا جس کی خبر نانا جان کی زبانِ مبارک نے کلامِ الٰہی کے حوالے سے دی اور جس کا نام یوم الحق ہے“۔

امام زین العابدینؑ نے پھوپھی کو روکا اور کہا:

”جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اس پر بحث اور گفتگو سود مند نہیں

ہے۔ البتہ ہم عمرسعد سے ایک کرم کے خواست گار ہیں کہ ہمارے باپ کا سر جو رات بھر ہماری آنکھوں کے سامنے پڑا رہا ہم کو دیدے۔ ہم سے زیادہ بدبخت انسان دنیا میں کون ہوگا کہ رسّیوں میں اس طرح گرفتار ہیں کہ اُنگل بھر سرک نہیں سکتے اگر یہ کہوں کہ رسّیاں ڈھیلی کر دو تو گنہگار۔ اگر یہ خواہش کروں کہ مجھ کو میرے باپ کے سر تک پہنچا دو تو خاطی۔ ہاں یہ خواہش ہے کہ حسینؑ کا سر میری گود میں ڈال دو۔ میں اُسے سینے سے چمٹائے ابنِ زیاد اور یزید کے دربار میں ہنسی خوشی چلا جاؤں گا"۔

خولی نے جواب دیا:

"تو بیمار ہے اور شاید دمشق پہنچنے سے پہلے ہی موت آجائے مگر سُن اور سمجھ کہ جس طرح تو اِس سر کے واسطے بے چین ہے اُس سے بہت زیادہ میں انعام کے واسطے مضطرب ہوں۔ تیرا باپ گمراہ تھا۔ اُس نے خلیفہ یزید کی بیعت سے انکار کرنے کے بعد ہم کو کافی اذیت پہنچائی۔ تو یہی غنیمت سمجھ کہ ہم نے تم لوگوں کے سامنے حسینؑ کے سر کو ٹھوکریں نہ ماریں۔ اگر تو وعدہ کرے کہ اس کو اپنے پاؤں سے ٹھوکریں مارے گا تو یہ سر تجھ کو مل سکتا ہے"۔

بیمار کے پاس اِس کا جواب ایک خاموشی تھی جو اِن تینوں کے علاوہ تمام اہلِ بیتؑ پر طاری ہوئی۔ مسلم بن عقیل کا خاندان اِس کی تاب نہ لا سکا اور مسلم کی شہزادی نے کہا:

"چُپ زبان روک ایسی گُستاخی نہ کر کہ زمین تجھ کو نگل لے۔ یہ سر جو تیرے سامنے پڑا ہے اب بھی دونوں جہان کا مالک ہے"۔

نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی خاطر طرح طرح کی تکالیف اٹھائیں، اُف تک نہ کی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھ اٹھا کر بددعا کرتے تو قیامت بپا ہو جاتی۔ علی مرتضٰےؑ نے قاتل کو شربت پلایا اور فرمایا:

"میں نہ رہوں تو قاتل پر صرف ایک وار کیا جائے"۔

امامؑ عالی مقام نے پورا کنبہ راہِ حق میں قربان کر دیا، شیرخوار بچّے کی قبر خود تلوار سے کھودی اور دفن کیا، اسے کہتے ہیں "نفسِ مطمئنّہ" کیا دنیا ایثار و قربانی کی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے؟۔ آئندہ اہلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا گزرے گی امامِ مظلومؑ کو نبی مرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی مطّلع کر دیا تھا۔ امامِ عالی مقامؑ بددعا☆ کرتے تو فوج یزید خس و

☆ سب جل کے خاک ہوں جو ابھی بددعا کروں
پر امت نبیؐ ہے بجز صبر کیا کروں
......
امت کا سفینہ تو ڈبویا نہیں جاتا
فرزندوں کو کھویا انہیں کھویا نہیں جاتا
(انیسؔ)

خاشاک ہو جاتی لیکن اہلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم راہِ حق کے سپاہی تھے ، راہِ حق ہی ان کا اوڑھنا اور بچھونا تھا اور اسی راہ پر چلنا ان کا معمولِ زندگی تھا ، کیوں نہ ہو:

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی
(اقبالؔ)

امام علی زین العابدینؑ بھی اسی صراط مستقیم کے راہی تھے ، تمام مصائب برداشت کرتے رہے اور راہِ حق پر چلتے رہے۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا پھوپھی تھیں ، ہر طرح قابلِ احترام ، علی زین العابدینؑ امامِ وقت تھے ، دونوں شخصیات نے ایک دوسرے کے مراتب کا خیال رکھا اور کاروانِ حق بڑھتا رہا:

زمانے میں یہ کیسا انقلاب آیا کہ کل تک جس گھر میں مَلائِکۃُ المُقَرَّبِینَ بھی اجازت کے بغیر داخل نہ ہوتے تھے آج اسی گھر کی بہو بیٹیاں اس طرح قیدی بنائی گئیں ، وائے افسوس ان مسلمانوں پر جو ایک طرف تو محمدؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کا کلمہ پڑھتے ہیں اور دوسری طرف اہلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو ذلیل و رسوا کرنے کے لئے قیدی بنا کر کوفہ روانہ کرتے ہیں۔ یاد رہے یہ وہی کوفہ ہے جو چند سال قبل تک عالمِ اسلام کا دارالخلافہ تھا۔

امام علی زین العابدینؑ کل تک سخت علیل اور ایسے علیل کہ غشی کا عا طاری رہتا تھا ، علیل اب بھی ہیں لیکن اب ہوش و حواس میں ہیں۔ ا خدائے بزرگ و برتر کو امام علی (زین العابدینؑ) اورجناب زینب صلواۃ ا علیہا کے صبر کا امتحان مقصود ہے۔ اگلے صفحات میں انہیں امتحانات کی رو رقم ہوگی آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ تمام تر آلام و مصائب کے باوجود ا بیتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کس طرح حق کا دفاع کرتے ہ اور بے خطر ظالموں کا سامنا کرتے ہیں اور حق کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خونِ دل میں ڈبولی ہیں انگلیاں میں نے
(فیضؔ)

نیک و بد کی جنگ ازل سے چلی آ رہی ہے۔ انبیاء ماسبق بھی سخ امتحانات سے گزر چکے ہیں۔ حضرت آدمؑ سے شروع کیجیے ، نظر دوڑائیے حضرت نوحؑ ، حضرت ابراہیمؑ ، حضرت یحییٰؑ کو دیکھئے ، حضرت مو حضرت ایوبؑ ، حضرت یونسؑ کو دیکھئے ، کس کس کا نام لکھوں ، فرمائیے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کتنے مصائب کا مق کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا

مَااُوْذِیَ نَبِیٌّ کَمَااُوْذِیْتُ
کسی نبیؐ کو اتنی اذیتیں نہیں دی گئی جتنی مجھے دی گئی۔

نبی اکرم صلیّ اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر مکّہ اور طائف میں کتنی مصیبتیں پڑیں ''تاریخ اسلام کا سفر'' (حصّہ اول) میں ملاحظہ فرمائیں۔

انبیاء ورسل علیہم السّلام کے علاوہ بھی بہت سے خدا کے نیک بندے اس امتحان سے گزرتے رہے ہیں لیکن جو کچھ امامِ مظلومؑ اور ان کے ساتھیوں پر ہوا تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کرسکتی:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی
(علاّمہ اقبالؒ)

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفوی
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی
(جمیل مظہری)

لیکن ہر دور میں کچھ ایسے بلند کردار، نیک سیرت☆ اور ایسے اہلِ دل نظر آتے ہیں جو حق پر جان دینے کو تیار رہتے ہیں۔ نبیؐ آخرالزماں کے بعد اسی خاندان کے افراد موت کو شہد سے شیریں اور دودھ سے لذیذ تصوّر کرتے ہیں اور اوراقِ تاریخ پر اپنے نام نہ صرف ثبت کرتے ہیں بلکہ ان اوراق کو جاویداں بنا دیتے ہیں۔ واقعۂ کربلا کی مثال دنیا آج تک پیش کرنے سے قاصر ہے اور نہ آئندہ پیش کر سکے گی۔ کیوں نہ ہو! آخر نبیؐ مرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا گھرانہ تھا۔

☆ ہر دور میں ملعون شقاوت ہے شمر کی
ہر عہد میں مسعود ہے قربانیٔ شبیرؑ

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوامِ ما

جس کا دل محبت کے جذبے سے سرشار ہے اس کے لئے فنا نہیں
محبت کی ہر نشانی ابدی زندگی کا ثبوت ہے۔ (حافظؒ)

عمر ابن سعدؒ☆ نے اپنے مُردوں کو دفن کرایا اور شہداء کے لاشوں کو چھوڑ دیا۔ ابن اثیر کے بیان کے مطابق عمر ابن سعد دو دن کربلا میں رُکا رہا تاکہ اپنے مُردوں کو دفن کرائے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے فوجی کثرت سے مارے گئے تھے۔ ۱۱رمحرم ۶۱ھ کو عمر ابن سعد کے حکم سے قافلۂ (اہلِ بیتؑ) کوفہ روانہ کر دیا گیا۔

بظاہر آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سبکی ہوئی لیکن انہیں کیا پتہ

☆ عمر ابن سعدؒ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اپنے زمانے کے انتہائی زہاد صحابہؓ میں سے تھے۔ شومئ قسمت کہ انہیں حضرت سعدؓ کا بیٹا عمر آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر ظلم ڈھاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے یہ سارا ظلم عبیداللہ ابن زیاد گورنر بصرہ اور کوفہ کے خوف سے کیا۔ عمر ابن سعدؒ نے اپنے بیوی بچوں کو بچانے کی خاطر نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور ان کے جان نثاروں کو شہید کیا اور اہل بیتؑ کی مخدّراتِ عصمت کو اسیر کیا اور عترتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بھلا بیٹھا۔ آدمی جب دنیا پرست ہو جائے تو عاقبت بھلا بیٹھتا ہے اور جہنّم کا ایندھن بنتا ہے۔ مظلوم جنّت کی راہ لیتا ہے اور ظالم جہنّم کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ ابنِ سعدؒ کی یہ بہت کمزور دلیل ہے کہ اس نے اپنے بال بچوں کو بچانے کے لئے ایسا کیا۔ آل رسولؐ کی لاشوں کے ساتھ جو بے حرمتی ہوئی ہے اور اسیرانِ کربلا کے ساتھ جو ظلم و تعدی کیا گیا ہے اس کا کوئی جواز نہیں تھا۔ قتلِ حسینؑ اور اصحابِ حسینؑ پر ابنِ زیاد کے حکم کی تعمیل ہو چکی تھی۔ بعد کے ظالمانہ اقدام طلب منفعت، ذاتی عناد اور امیرِشام کو خوش کرنے کیلئے تھے۔

کہ خدائے بزرگ و برتر نے آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بلند ترین مراتب عطا فرما دیئے ہیں۔ دنیا کی ظاہری ذلّت و خواری کی کوئی حیثیت نہیں ، خدا کے نیک بندے کانٹوں میں بھی پھولوں کی سی زندگی گزارتے ہیں ، کیوں نہ ہو یہ حسینیؑ قافلہ والے تو ان کی اولاد تھے جن کے بارے میں پیغمبرِ اسلام ، مرسلِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:

”عَلِیٌّ قَسِیمُ النَّارِ وَالْجَنَّةِ ، فَاطِمَہ خاتُونِ جَنَّتْ وَ الْحَسَنُ وَ الْحُسَینِ سَیِّدَ الشَّبَابِ اَھْلِ الْجَنَّةِ“۔

شامیوں کی تو تمام تر خواہش یہی تھی کہ ”نورِ خدا“ کو ہمیشہ کے لئے بجھا دیں لیکن انہیں کیا خبر کہ:

چراغے را کہ ایزد بر فروزد
کسے گرپف کند ، ریشش بسوزد

قدرت کے جلائے ہوئے چراغ کو بجھانے والے کا چہرہ جھلس جاتا ہے۔

یایوں کہیئے :

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

مقامِ عبرت ہے کہ جن کو اپنی فتح پر نازتھا ان کا حشر عبرتناک ہوا، بنو عبّاس اقتدار میں آئے تو بنو امیّہ کا عالم یہ تھا:

دیکھنا کل ٹھوکریں کھاتے پھریں گے ان کے سر

آج نخوت سے زمیں پر جو قدم رکھتے نہیں

بنو امیہ کا تفصیلی ذکر ”تاریخِ اسلام کا سفر“ (حصّہ سوم) میں لکھا جارہا ہے۔ کچھ ذکر اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمایئے۔

کربلا سے کوفے کا فاصلے آج کل براہِ راست ۷۵ کیلو میٹر ہے لیکن فوج یزید نے کاروانِ اہلِ بیتؑ کو سیدھے راستہ سے لے جانے کے بجائے دور اور غیر معروف بستیوں سے گزارا تاکہ اہلِ بیتؑ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور بنی ہاشم کو زیادہ سے زیادہ تکلیفیں پہنچیں لیکن اللہ تعالیٰ تو ظالموں کی رسّی کو ڈھیل دیتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ ظلم کرلیں پھر سخت پکڑ میں گرفتار ہوں:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ۔

اور کافر یہ گمان نہ کریں کہ ہم انہیں جو ڈھیل دے رہے ہیں وہ ان کے لئے بہتر ہے۔ہم توانہیں صرف اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں تاکہ یہ لوگ اپنے گناہوں میں اور اضافہ کرلیں، آخر کار ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جن قبیلوں نے شہدائے کربلا کے سرقلم کئے تھے انہیں اپنے پاس محفوظ رکھا تھا تاکہ شہداء کے سر دکھا کر عمر ابن سعد سے انعام حاصل کریں۔ ابن اثیر نے ان شہداء کے سروں کی تفصیل یوں بیان کی ہے:

(۱) بنی ہوازن کے یزیدی سپاہیوں کے پاس (ان کا سردار شمر بن ذی الجوشن تھا)	۲۰
(۲) بنی کندہ کے پاس (سردار قیس بن اشعث)	۱۳
(۳) بنی تمیم کے پاس	۱۷
(۴) بنی اسد کے یزیدی سپاہیوں کے پاس	۶
(۵) بنی مذحج کے پاس	۷
ان کے علاوہ دیگر لشکریوں کے پاس	۷/۸
کُل تعداد	۷۰/۷۱

کچھ مورخین نے شہداء کی تعداد ۷۲/۷۳ لکھی ہے۔

قافلۂ حسینیؑ اسیر ہو چکا ، شہداء کے سر اکٹھا کر لئے گئے ، دوپہر کے بعد عمر ابن سعدؒ نے حمید بن بکیر کی سرکردگی میں قافلہ کو روانگی کا حکم دیا۔ روانگی سے قبل فوج یزید میں کوچ کے شادیانے بجے ، لشکرِ یزید خوشی کے نعرے لگاتے رہے۔ روایتوں کے مطابق امامِ مظلومؑ کا لٹا ہوا قافلہ دوسرے یا تیسرے دن کوفہ پہنچا۔

قافلہ امام مظلومؑ اس طرح روانہ ہوا کہ شہداء کے سر نیزوں پر بلند آگے آگے تھے۔ ہاں دو سر نیزوں پر بلند نظر نہیں آرہے تھے کیونکہ عمر ابن سعد نے سیّد الشہداء امام حسینؑ کا سر عاشورہ کے روز ہی خولی بن یزید اصبحی کے ذریعہ کوفہ روانہ کر دیا تھا تاکہ عبیداللہ ابن زیاد گورنر کوفہ کو کامرانی کی اطلاع ہو جائے۔ حبیب ابن مظاہر کا سر ان کے تمیمی قاتل

نے اپنے گھوڑے کی گردن سے لٹکا رکھا تھا۔

کہتے ہیں کہ وہ آدمی (خولی) جو امامؑ کا سر لئے ہوئے تھا ، کوفہ اُس وقت پہنچا جب رات ہو گئی تھی اور پسرِ زیاد کے محل کا دروازہ بند ہو چکا تھا اس لئے وہ امامؑ کا سر اپنے گھر لے گیا اور ایک گوشے میں رکھ دیا اور اپنی زوجہ سے کہا:

''تیرے لئے زمانہ بھر کی دولت لایا ہوں۔ یہ حسینؑ کا سر ہے جو تیرے گھر میں ہے''۔

زوجہ لرز کر چلاّئی:

''تیرے اوپر تف ہو آدمی تو سونا اور چاندی لاتے ہیں اور تو دُخترِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بیٹے کا سر لے کر آیا ہے۔ خدا کی قسم! میں تیرے ساتھ اس گھر میں ہرگز نہ رہوں گی''۔

اس کے بعد وہ گھر سے باہر چلی گئی۔

شہدائے کربلا کی تدفین

پچھلے صفحات میں لکھا جا چکا ہے کہ عمر ابن سعد حادثۂ کربلا کے بعد وہاں رکا رہا اور اپنی فوج کی لاشوں کو دفن کرایا لیکن شہدائے کربلا کی نعشوں کو یوں ہی چھوڑ دیا۔ اس کے جانے کے بعد بنی اسد کے کچھ لوگ وہاں آئے اور شہداء کے نعشوں کو دفن کیا۔ کربلا پہنچنے کے بعد امامِ عالی

مقام نے بنی اسد سے کربلا کی زمین خرید لی تھی اور پھر اُنہیں کو ہبہ کر دی تھی اور فرمایا تھا کہ میرے بعد میرے عزیزوں کے لاشوں کو دفن کر دینا۔ ان قبروں پر خدا کے فضل و کرم سے عالی شان مقبرے(۱) بنے اور ہر سال لاکھوں(۲) انسان آج بھی دنیا کے کونے کونے سے زیارت کے لئے حاضر ہوتے ہیں اور ظالموں کا نام و نشان ہمیشہ کے لئے مٹ گیا۔

---

(۱) ان مقابر کی تصاویر آغازِ کتاب میں ملاحظہ کی ہوں گی۔

(۲) بی بی سی اور عالمی میڈیا کے مطابق اس سال (۲۰ر صفر ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۲ر اپریل ۲۰۰۳ء) کو شہدائے کربلا کے چہلم کے موقع پر بغداد ، موصل ، نجف اور دیگر دور دراز مقامات سے تقریباً ۵ لاکھ مسلمان پیدل واردِ کربلا ہوئے۔ صدام نے پچھلے بیس بائیس سالوں سے جلوسِ شہدائے کربلا پر پابندی لگا رکھی تھی۔ ان دنوں کربلا اور مضافاتِ کربلا میں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دکھائی دے رہا تھا۔

قافلۂ آلِ رسولِ مقبولؐ کی کوفے آمد

قافلۂ علی (امام زین العابدینؑ) و زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا ، کر سے ۱۱ر محرّم الحرام ۶۱ھ کو دو پہر بعد روانہ کیا گیا ، مختلف آباد اور غیر علاقوں سے گزرتا ہوا کوفہ پہنچا۔ عبیداللہ ابن زیاد ، حاکم کوفہ نے چار طرف یہ پروپیگنڈہ کرایا تھا کہ ایک فرد نے حاکمِ وقت کے خلاف بغاو کی جسے قتل کر دیا گیا اور اب اس کے باقی ساتھی گرفتار کر کے کوفہ لا جا رہے ہیں۔ ستم بالائے ستم کامیابی کے جشن کا اہتمام بھی کیا گیا کوتوالِ شہر کوفہ عمر ابن حریث کو حکم دیا کہ جشن کا پورا انتظام کیا جا جگہ جگہ پولیس لگا دی گئی تاکہ کوئی بدنظمی برپا نہ ہو۔ حقیقت سے بے عوام راستوں پر کھڑے ہو گئے کہ جشن دیکھیں۔ ہر طرف جشن کا تھا، انہیں کیا خبر کہ قید کر کے لائی جانے والی ہستیاں اہلِ بیت ر مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہیں جن کا وہ کلمہ پڑھتے ہیں۔

جناب زینبؑ اس قافلے کی قافلہ سالار تھیں اور صبر و ضبط کا بے مث مظاہرہ فرما رہی تھیں۔ ایک طرف بیمار بھتیجے کو سنبھال رہی تھیں دو طرف خواتین اور بچوں کی نگہبانی کر رہی تھیں اور تیسری طرف جو مصا اور رنج و غم ان پر پڑ رہے تھے انھیں نہایت دلیری سے برداشت کر

تھیں۔ اخلاق محمدیؐ کی تصویر زینب سلام اللہ علیہا اپنے دو معصوم بچوں کی شہادت ، برہنہ سری اور اسیر ہونے کے باوجود مجسمۂ حیاء اور غیرت تھیں وہ صولتِ حیدری کی یادگار دربدر پھرائے جانے کے باوجود راہ حق پر مستقل اور مضبوط رہیں اور اپنے خطبوں سے علیؑ کی بیٹی نے فرعون وقت کا سر کچل ڈالا۔

قافلہ شہر میں داخل ہوتا ہے

اہلِ بیتؑ کا لٹا ہوا قافلہ قیدیوں کی شکل میں شہر میں داخل ہوا۔ آگے آگے چند نیزہ بردار تھے جن کے نیزوں پر شہدائے کربلا کے سر بلند تھے ، اس کے پیچھے اونٹوں پر سوار بچے اور بیبیاں تھیں جن کے چہرے گرد سے اٹے ہوئے اور سر کھلے ہوئے تھے۔ ان سب سے آگے ایک نوجوان تھا جس کے پیروں میں بیڑیاں ، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور گلے میں طوق تھا۔ آپ سمجھے ، یہ فرشتہ صفت انسان کون تھا؟ یہ تھے علی (زین العابدینؑ)، امامِ مظلومؑ کے بیٹے۔ علی مرتضیٰؑ و خاتونِ جنتؑ کے پوتے ، نبی مرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پرنواسے ، جن کا چہرہ گرد و غبار سے اٹا ہوا ، لباس پھٹا ہوا ، بھوک و پیاس اور شدّتِ غم سے منہ اترا ہوا لیکن نورِ حق چہرے پر نمایاں تھا۔ عوام حیران کہ اس کسمپرسی کی حالت میں بھی چہرہ سے نور ٹپک رہا تھا ، یہ نوجوان کون ہوسکتا ہے؟

کچھ لوگ اسے انقلابِ زمانہ کہہ سکتے ہیں اور بظاہر لگتا بھی ایسا ہی

ہے لیکن میں سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ حق و صداقت اور باطل و کذب کا امتحان لے رہا ہے۔ کتاب کے شروع میں ، میں نے چند آیات لکھی تھیں، کچھ آیات یہاں دہراتا ہوں ، آپ انہیں پڑھیں اور غور فرمائیں فتح حق کی ہوئی یا باطل کی۔ ارشاد خداوندی ہے کہ:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ الْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۔ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

اور ضرور بالضرور ہم تمہیں آزمائیں گے ، خوف ، بھوک اور مال و جان اور پھلوں کی کمی ، کسی نہ کسی چیز کے ساتھ اور خوشخبری دیجئے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب کوئی تکلیف دہ بات ان کے سامنے آئے ان کا قول یہ ہو کہ بلاشبہ ہم اللہ کے ہیں اور بلاشبہ ہمیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

(سورۃ البقرہ ۲، آیت ۱۵۵ ، ۱۵۶)

وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

اور کہہ دیجئے کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا یقیناً باطل تو مٹنے والا ہی ہے۔

(سورہ بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۸۱)

بظاہر دنیاوی لحاظ سے قافلۂ حسینیؑ ناکام ہوا اور فوج یزید کامیاب قرار پائی لیکن ازروئے قرآن حسینی قافلہ نے ان مٹ کامیابی حاصل کی اور جنّت کے مستحق ہوئے۔

سر کٹے ، کنبہ مرے ، سب کچھ لٹے
دامنِ احمدؐ نہ ہاتھوں سے چھٹے

اب ذرا صلح حدیبیہ پر نظر دوڑایئے۔ ہو سکے تو ''تاریخِ اسلام کا سفر''

(حصّہ اوّل) کے باب صلحِ حدیبیہ کو ایک بار پڑھ لیجئے۔ بظاہر تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے دب کر صلح کی جیسا کہ کچھ مسلمانوں کا بھی خیال تھا لیکن یہ صلح ایسی فتح تھی کہ سورۂ فتح☆ نازل ہوئی۔ اس صلح کے بعد بہت سے غزوے ہوئے ، سرایا ہوئے لیکن آیۂ فتح نازل نہیں ہوئی۔ ان واقعات سے ظاہری اور باطنی کامیابی عیاں ہو جاتی ہے۔

مانا کہ قافلۂ حسینیؑ ظاہری طور پر شکست خوردہ تھا ، ان پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹا ، اب ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر اور خدائے بزرگ و برتر کو حاضر و ناظر جان کر فرمایئے ''یادِ حسینؑ کی منائی جاتی ہے یا یزید کی!''۔ حقیقتِ حال تو یہ ہے کہ:

لفظ یزید داخلِ دشنام ہو گیا

شاہ عبداللطیف بھٹائی شہدائے کربلا کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

انہیں کب موت کا کھٹکا تھا کب پروائے لشکر تھی
شہادت ان کی قسمت تھی ، اجل ان کا مقدّر تھا
(اصل شعر سندھی زبان میں ہے)

☆ اِنَّا فَتَحنَا لَکَ فَتحاً مُّبِیناً
یقیناً ہم نے آپ کوایک بڑی نمایاں فتح عطا کی۔
(سورۂ الفتح ۴۸ آیت ۱)

کوفہ میں خطبات کی ابتداء

اہلِ بیتؑ اطہار کربلا سے کوفہ تک بالکل خاموش رہے۔ سیّدُ السّجادؑ نے راستے میں کسی سے کوئی بات نہیں کی لیکن جب کوفہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اندازہ کر لیا کہ اب مقصدِ حسینؑ کے اظہار کا وقت آ پہنچا ہے لہٰذا انہوں نے خطبات کے ذریعہ فلسفۂ شہادتِ امام حسینؑ کو بیان کرنا شروع کیا اور دنیا والوں پر یہ ثابت کر دیا کہ محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے گھرانے والے خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے ، مرد ہوں یا عورت قید سلاسل میں مبتلا ہوں یا آزاد ، دینِ محمّدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بقاء کے لئے اور حق کی سر بلندی کے لئے نہ حکومتِ اجتماعی سے گھبراتے ہیں اور نہ اقتدارِ شاہی سے مرعوب ہوتے ہیں۔ اس موقع پر بازارِ کوفہ سے گزرتے ہوئے سب سے پہلے امام حسینؑ کی چھوٹی صاحبزادی جناب فاطمہ نے کوفیوں کو مخاطب کر کے یوں ارشاد فرمایا کہ ساری حقیقت بے نقاب ہوگئی۔ آپ کے خطبے سے قبل عوام حقیقت سے ناآشنا تھے کیونکہ یزیدی فوج حادثۂ کربلا کو چھپانا چاہتی تھی۔ خطباتِ فاطمہ بنت حسینؑ ، حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا اور حضرت سیّدُ السّجادؑ نے حقائق کو طشتِ ازبام کر دیا اس طرح یزیدی فوج کی تمام تر تدبیریں ناکام ہوگئیں۔

بازارِ کوفہ میں فاطمہ بنت الحسینؑ کا خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَدَدَ الرَّمْلِ وَالْحَصٰی.........الاخیار۔

حمد ہے خدا کی، تعداد میں اس قدر جتنی ریگِ صحرا اور سنگریزے ہیں اور وزن میں اتنی جتنی عرش سے تا فرش تک تمام چیزیں ہیں۔ میں اس کی حمد کرتی ہوں اور اس پر ایمانِ کامل رکھتی ہوں اور اس بات کی گواہی دیتی ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔ محمّد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم اس کے بندے اور رسولؐ ہیں۔

(اے لوگو!) اولادِ محمّد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم دریائے فرات کے کنارے ذبح کر ڈالی گئی اور ان کے لاشہائے مقدّسہ کو بغیر کفن و دفن چھوڑ دیا گیا۔ اے خدا! میں تیرے اوپر جھوٹ اور بہتان لگانے سے پناہ مانگتی ہوں۔

اے کوفیو! اے مکّارو! اور اے دغا بازو! خداوندِ عالم نے ہم اہلِ بیتؑ کی تمہارے ذریعہ اور تم لوگوں کی ہمارے ذریعہ آزمائش کی ہے۔ خدا مصیبتوں سے ہمارا امتحان لے کر ہم کو اچھی جزا دے گا۔ خدا نے ہم کو اپنا علم اور اپنی حکمت قرار دیا ہے ہم علمِ خدا کے معدن اس کی حکمت کا ظرف اور اس کی زمین پر اس کے بندوں کے لئے ہادی اور رہبر ہیں۔ اس نے

اپنی نعمتوں سے ہم کو نوازا ہے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے ہم کو عزّت بخشی۔ اسی اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ ہم تمام مخلوقِ خدا سے افضل و برتر ہیں۔

اے کوفیو! تم نے ہم کو جھٹلایا، تم نے کفر اختیار کیا۔ تم نے ہمارے مردوں کو قتل کرنا جائز سمجھا اور ہمارے اموال کو مالِ غنیمت جان کر لوٹا جیسے ہم اولادِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نہ تھے بلکہ تُرک و کابل کے کفّار کی اولاد تھے کہ تم نے ہم کو اس طرح ذلیل و رسوا کیا۔ تم نے آج ہمارے پدرِ بزرگوار حسینؑ کو شہید کیا جس طرح اس سے قبل ہمارے جدّ بزرگوار حضرت علیؑ کو شہید کیا تھا۔ تمہاری تلواروں سے اہلِ بیتؑ کا خون ٹپک رہا ہے۔ کتنا پرانا بغض[(۱)] و کینہ تھا جس کو ظاہر کر کے تم نے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا اور اپنے دلوں کو خوش کیا۔ تم نے خدا سے مکّاری کی لیکن یقین کرلو کہ خدا بھی بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔[(۲)]

---

(۱) تمام معتبر تاریخی کتابوں میں مذکور ہے کہ یزید نے دمشق کے بھرے دربار میں چند اشعار پڑھے تھے اور کہا تھا "کاش میرے بزرگ زندہ ہوتے تو دیکھ کر خوش ہوتے کہ میں نے آل بنی ہاشم سے بدلہ چکا لیا ہے"۔ اشعار اور ترجمہ اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمایئے۔

(۲) وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ

ان لوگوں نے تدابیر سوچیں اور اللہ نے (بھی جوابی) تدبیر فرمائی کہ اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ (سورۃ آل عمران ۳، آیت ۵۴)

تم ہمارا خون بہانے اور ہمارے اموال لوٹنے پر خوش نہ ہو جانا کیونکہ ہم پر جو بھی مصیبت کے پہاڑ ٹوٹے ہیں وہ سب ہمارے اعمال سے پہلے لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کیلئے آسان ہے۔ یہ سب اس لئے تھا کہ خدا تم سے آسانی سے بدلہ لے سکے۔ تم نے جو کچھ کیا اس پر نازاں نہ ہو، خدا کبھی مغرور اور متکبّر سے خوش نہیں ہوتا۔

اے کوفیو! تمہارا برا ہو۔ تم پر خدا کی لعنت، تم اس عذاب کا انتظار کرو۔ تمہارے اوپر آسمانوں سے مصیبتیں نازل ہوں گی اور ایسا عذاب آئے گا جو تم کو پیس ڈالے گا پھر قیامت کے دن تم ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا کر دیئے جاؤ گے کیونکہ تم نے ہمارے اوپر بڑا ظلم کیا ہے، ظالمین پر خدا کی لعنت ہے۔

کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے کن خبیث لوگوں نے ہم سے جنگ کی۔ کن منحوس ہاتھوں سے تم نے ہمارے اوپر تیر برسائے اور کن منحوس پیروں سے تم ہماری طرف بڑھے۔ خدا کی قسم تمہارے دل سخت ہو گئے، تمہارے جگر پتھر ہو گئے، تمہارے دلوں پر تمہارے کانوں پر اور تمہاری آنکھوں پر مہریں لگ گئیں، تم پر شیطان نے پوری طرح قابو پا لیا اور تمہاری آنکھوں پر گمراہی کا پردہ ڈال دیا، تم کبھی ہدایت نہیں پاسکتے۔

اے کوفیو! تمہارا برا ہو، تم کون سا عذر رسولؐ اللہ کے سامنے پیش کروگے جب کہ تم نے انؐ کے بھائی علیؑ ابن ابی طالب، ان کی طیّب و طاہر ذرّیت اور اُن کی پاک و پاکیزہ عترت کے ساتھ نہایت بُرا سلوک کیا۔

حقیقتِ حال کا معلوم ہونا تھا (گو ابھی فاطمہ بنت الحسینؑ کا خطبہ جاری تھا) کہ ہر طرف سے گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں اور مجمع میں سے لوگوں نے بآوازِ بلند کہا:

''اے پاک و طیّب و طاہر کی صاحبزادی! اپنے خطبہ کو روک لیجئے کیونکہ آپ نے ہمارے دلوں میں رنج و غم کی آگ بھڑکا دی۔ ہماری گردنیں جھک گئیں اور ہمارے قلب و جگر جلنے لگے''۔

چند ساعت پہلے تک بازارِ کوفہ کے لوگ خوشیاں منا رہے تھے کیونکہ وہ حقیقت حال سے ناواقف اور حکومتی پروپگنڈے کے شکار تھے حقائق سامنے آئے تو وہی لوگ جو اب تک خوشیاں منا رہے تھے آہ و زاری کرنے لگے۔ جب جناب فاطمہ بنت الحسینؑ خطبہ دے رہی تھیں اُس وقت جناب زینبؑ کی نظروں میں وہ منظر گھوم رہا ہو گا جب اسی کوفہ میں حضرت علیؑ خلیفۂ وقت تھے اور وہ دختر کی حیثیّت سے نہایت ممتاز مرتبہ پر فائز تھیں۔ کوفہ کی خواتین بھی ان کی ایک جھلک دیکھنے کی متمنی ہوتی تھیں

اور ان کا نہایت بلند مرتبہ و مقام تھا۔ صرف بیس برس میں زمانہ ایسا بدل گیا تھا کہ وہ قیدی کی صورت میں بازار میں کھڑی تھیں۔ یقیناً انہوں نے بہت سوچا ہوگا۔ غور فرمایا ہوگا تبھی تو انھوں نے فاطمہ بنت الحسینؑ کے خطبہ کے ختم ہونے کے بعد اپنے خطبہ کا آغاز کیا۔

کوفہ میں جناب زینب سلام اللہ علیہا کا خطبہ

الحمد للّٰہ و الصّلوٰۃ علیٰ ابی محمّدٍ و آلہٖ الطّیّبین الاخیار......

اوذی عَلَیٰ اِرَم۔

حمد و سپاس اللہ کے لئے اور درود و سلام میرے پدرِ بزرگوار محمّد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور ان کے پاک اور نیک اہلِ بیتؑ پر!

درود و سلام بھیجنا نہایت اہم ہے لہٰذا آیت اور ترجمہ پیشِ خدمت ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِی یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوا تَسْلِیْماً۔

اللہ اور اس کے فرشتے یقیناً نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں ، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو جیسے سلام بھیجنے کا حق ہے۔ (سورۃ الاحزاب ۳۳، آیت ۵۶)

کوفے والو!

عذر و فریب کے پجاریو! رو رہے ہو؟ تمہارے یہ آنسو کبھی نہ رکیں۔ ہمیشہ فریاد کرتے رہو ، مکّاری کے پتلو!

تم تو اس عورت کی طرح سے ہو ، جو محنت سے سوت

کاتتی تھی اور پھر خود ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی تھی☆ قسمیں کھا کر پلٹنے والو! کذب و غرور کے مجسّمو! لونڈیوں کی سی خوشامد اور دشمنوں کی طرح عیب جوئی کرتے ہو؟ ظالمو! تم گھورے پر اگی ہوئی ہریالی اور جھوٹی ملمّع کاری کی طرح بے قیمت ہو۔ کس بری طرح تم نے اپنی عاقبت خراب کی ہے!

اب غضبِ الٰہی کے لئے تیاّر رہو۔ تم ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہو گے۔ کیوں ستم گرو! آنسوؤں سے منہ دھو رہے ہو۔ ہاں روؤ! تم رونے کے مستحق ہو ، ہنسنے سے زیادہ روؤ! تم نے اپنے دامن پر وہ دھبّہ لگایا ہے جو دھوئے نہیں چھٹے گا۔

کوفے والو! یہ اندھیر کہ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بیٹے اور سردارِ جوانانِ جنّت کو قتل کر ڈالا؟

بے حمیّتو! تم نے اسے خاک و خون میں ملایا ہے جو تمہارے لئے کعبۂ امن، جائے پناہ ، صلح و آشتی کی آماجگاہ اور منارۂ ہدایت تھا۔

☆ وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَھَا مِنْ بَعْدِ قُوَّۃٍ اَنْکَاثاً تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَکُمْ دَخَلًا بَیْنَکُمْ

اور تم اس عورت کی طرح نہ ہونا جس نے پوری طاقت سے سوت کاتنے کے بعد اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا ذریعہ بناتے ہو۔ (سورۃ النحل ۱۶، آیت ۹۲)

غور تو کرو تم نے کتنا بڑا گناہ کیا ہے؟ کس بری طرح تم رحمتِ الٰہی سے دور ہوئے ہو، تمہارے مساعی عبث، کوشش بے سود۔

ذلّت و خواری کے خریدارو!

تم عذاب میں ضرور گرفتار ہوگے!

وائے ہو تم پر!

حق فروشو! تم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے کلیجے کو پاش پاش اور ان کے حرم کو بے پردہ کیا!

کتنے اچھے اور سچے لوگوں کا خون بہایا اور کن کن طریقوں سے سرکار ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حرمت ضائع کی!

کوفیو! تم نے وہ کام کیا جس کے سبب کچھ دور نہیں کہ آسمان پھٹ پڑے زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں، تمہاری برائیاں آفاق گیر ہیں، تمہاری بداعمالی نے پوری دنیا کو گھیرے میں لے رکھا ہے،

سنو! تم حیران ہو کہ اس واقعہ سے آسمان نے خون برسایا۔

ٹھہرو! عذابِ آخرت اس سے زیادہ تمہیں رسوا کرے گا اور وہ بھی اس وقت جب کہ نہ تمہارا کوئی حامی ہوگا نہ مددگار!

ہاں! یقین مانو، یہ مہلت کے لمحے تمہارے بوجھ کو ہلکا نہیں

کر سکتے، وقت قبضۂ قدرت سے باہر نہیں ہے۔ انتقام کی گھڑیوں کو قریب سمجھو! اور داورِ محشر، گنہگاروں کی گھات میں ہے۔

پھر آپ نے فرمایا: کوفیو!

تم اس وقت کیا جواب دوگے جب پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تم سے کہیں گے کہ تم آخری امّت ہو، تم نے میری اولاد، میرے اہلِ بیتؑ میری حرمت اور میرے ناموس کے ساتھ یہ کیا کیا؟ میرے گھرانے کی کچھ ہستیوں کو اسیر بنایا اور بعض کو قتل کر ڈالا!

کیوں! میرے احسانات رشد و ہدایت کی یہی جزا تھی؟(۱)

یہی صلہ تھا کہ میرے بعد میرے عزیزوں اور میری آل، اولاد کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا؟

اہلِ کوفہ! اندیشہ ہے کہ کہیں تمہارا بھی وہی حشر نہ ہو جو شدّاد(۲) اور اس کی امّت کا ہوا!

قافلہ حسینؑ کو بدترین مصائب میں مبتلا رکھا گیا تھا اس کے باوجود علیؑ

---

(۱) قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی۔
یعنی کہہ دو اے نبیؐ! میں بجز اپنے اہلِ بیت کی محبت کے تم سے اور کوئی اجر نہیں چاہتا۔ (سورۃ الشوریٰ ۴۲، آیت ۲۳)

(۲) مصر کے ظالم بادشاہ شدّاد نے بے شمار دولت جمع کی، محل بنایا، خدائی کا دعویٰ کیا لیکن آخر کار دولت کے ساتھ زمین میں دفن ہوگیا۔

کی بیٹی نبی آخرالزماںؐ کی نواسی نے اس عالم میں بھی ایسا فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا کہ دنیا آج تک حیران ہے۔

بازارِ کوفہ میں سیّدالسجّادؑ کا خطبہ

جب حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا کوفیوں کو خطاب کر چکیں تو سیّدالسجّاد بیمارِ کربلا امام زین العابدینؑ تماشائیوں کی جانب متوجّہ ہوئے۔ کمسن اور مصیبت زدہ امامؑ نے تھرّائی ہوئی آواز میں پہلے تو خدا کی حمد و ثناء کی ، ختمی مرتبت حضرت محمّد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر درود و سلام بھیجے ، اس کے بعد ارشاد فرمایا:

"اے لوگو جو مجھے پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا اسے میں اپنا تعارف کراتا ہوں۔ سنو! میں علی بن الحسینؑ بن علیؑ ابن ابی طالب ہوں۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کو ذلیل و رسوا کیا گیا ، جس کا سامان لوٹ لیا گیا۔ جس کے اہل و عیال قیدکر دیئے گئے جو ساحلِ فرات پر ذبح کر دیئے گئے اور جن کی لاش (زمینِ کربلا) پر بے گور و کفن چھوڑ دی گئی۔ اے لوگو! خدا کا واسطہ ، ذرا سوچو! تم لوگوں نے میرے پدرِ بزرگوار کو خط لکھ کر بلایا پھر تم ہی لوگوں نے ان کو دھوکہ دیا۔ تم ہی نے ان کے ساتھ عہد و پیمان کیا اور ان کی

بیعت کی ، پھر تم لوگوں نے ہی ان کو شہید کر دیا۔

تمہارا برا ہو! تم نے اپنی ہلاکت و بربادی کا سامان خود مہیّا کر لیا۔ تمہارے نفوس کس قدر خبیث اور تمہارے دل کتنے بُرے ہیں ، تم کن آنکھوں سے رسولِ خدا کو دیکھو گے ، جب وہ تم سے باز پُرس کریں گے اور کہیں گے کہ اے کوفیو! تم لوگوں نے میری عترت کو قتل کیا اور میرے اہلِ حرم کو ذلیل کیا، تم سب میری اُمت سے خارج ہو"۔

امامؑ کی تقریر سن کر اہلِ کوفہ کے دل دہل گئے۔ ندامت و پشیمانی ان کا مقدّر بن گئی ، وہ انتہائی شرمندگی کی حالت میں سر جھکائے گریہ و بکا کرنے لگے۔

عبیداللہ ابن زیاد☆ نے اہلِ کوفہ کو محصور کر رکھا تھا ، کسی کو خبر نہیں کہ کربلا میں کیا ہو رہا ہے اور کن لوگوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ انہیں تو یہ بتایا

☆ عبیداللہ ابن زیاد پہلے صرف بصرہ کا گورنر تھا ، یزید نے اسے کوفہ کی بھی گورنری بخش دی اور اہلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے بیعت لینے کا حکم دیا۔ آلِ رسولؐ نے بیعت سے انکار کیا کیونکہ یزید انتہائی بدکردار ، ظالم اور دنیا پرست تھا۔ اسلامی اقدار کی اس کو قطعی پرواہ نہ تھی ، چنانچہ ان پر ظلم کا پہاڑ ٹوٹا۔ عبید اللہ ، زیاد کا بیٹا تھا اور زیاد سمیہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ امیر شام نے اسے اپنے خاندان میں شامل کرلیا۔ جب خون میں خرابی ہو تو شرافت کہاں سے آئے:

گندم از گندم بروید ، جوز جو
گندم گندم سے ہی پیدا ہوتا ہے اور جو، جو سے

یا یوں کہیے:
آنچہ در دیگ بود ، بہ چمچہ بر آید
چمچہ سے وہی چیز نکلتی ہے جو دیگ میں ہو

گیا تھا کہ کچھ لوگوں نے حاکمِ وقت سے بغاوت کی تھی ان سے جنگ ہوئی اور وہ مارے گئے ، اب ان کے اہل و عیال قیدی بنا کر لائے جارہے ہیں۔ لیکن جب اہلِ کوفہ کو جنابِ فاطمہ بنت الحسینؑ ، حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا اور سیّدالسجّاد علی زین العابدینؑ کے خطبوں سے حقیقتِ حال کا پتہ چلا تو اب سب کفِ افسوس مل رہے تھے۔گریہ و زاری کر رہے تھے۔

لیکن یزید اور ابن زیاد سے یہ لوگ اتنے خوفزدہ تھے کہ ان خطبات کو سننے کے بعد اہلِ کوفہ نے صرف آنسو بہائے اور خاموش رہے فوری طور پر کوئی آواز بلند نہیں کی۔

اسیرانِ کربلا دربارِ ابن زیاد میں

خطبات دیئے جاتے رہے ، قافلہ بڑھتا رہا آخرکار یہ لٹا پٹا قافلہ دربارِ کوفہ میں لایا گیا۔ دربار ہر طرح سے سجا ہوا تھا ، حکومت اور علاقے کے اہلِ ثروت اور صاحبان اقتدار اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے اسیروں کی آمد کے منتظر تھے کہ سیّدالسّجادؑ اور مُخدرّاتِ عصمت و طہارت کو دربار میں پیش کیا گیا۔

عبیداللہ ابن زیاد اسیروں کی طرف نہایت رعونت سے دیکھ رہا تھا کہ اس کی نظر ایوان کے آخری حصّہ میں ایک پریشان حال لیکن پُروقار خاتون پر پڑی جو تمام تر پریشانیوں اور بدحالی کے باوجود پُرسکون بیٹھی ہوئی تھیں۔ عبیداللہ نے نہایت تلخ لہجہ میں دریافت کیا ، یہ کون خاتون ہے؟ مجمع خاموش رہا۔ اس نے دوبارہ وہی سوال نہایت رعونت سے پوچھا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ اب عبیداللہ ابن زیاد اپنے آپے سے باہر ہو گیا اور پھر مزید سختی سے کہا خاموش کیوں ہو! بتاتے کیوں نہیں! اب ایک خاتون (جناب فضّہ) نہایت متانت اور سکون سے گویا ہوئیں:

''یہ علیؑ کی بیٹی جناب زینب سلام اللہ علیہا ہیں''۔

زینب سلام اللہ علیہا کا نام سنتے ہی اس کے دل و دماغ کی ہیجانی

کیفیت چہرے سے نمایاں ہونے لگی۔ کیوں نہ ہو! اسے معلوم تھا کہ یہ علیؑ کی بیٹی ہے۔ پھر نہایت تلخ لہجہ میں کہتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی فَضَحَكُمْ وَ قَتَلَكُمْ وَ كَذَبَ اُحْدُوثَتَكُمْ

خدا کا شکر! کہ اس نے تمہیں رسوا کیا، موت کے گھاٹ اتارا اور تمہارے ناپسندیدہ ارادوں کو بے نقاب کردیا۔

یہ سنناتھا کہ فاتحِ خیبر اور صاحبِ ذوالفقار کی بیٹی، نبی آخرالزماںؐ کی نواسی نے اپنے اقتدار شکن اور سلطنت فشار انداز سے یوں خطاب فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی اَكْرَمَنَا بِنَبِیِّهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَ طَهَّرَنَا مِنَ الرِّجْسِ تَطْهِیْرًا اِنَّمَا یُفْتَضَحُ الْفَاجِرُ وَ یُكَذَّبُ الْفَاسِقُ وَهُوَ غَیْرُنَا

شکر ہے! اس معبود و یکتا کا، جس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی نسبت سے ہمیں عزّت دی اور ہمارے گھرانے کو کمالِ طہارت کا شرف بخشا!

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا

اللہ کا بس یہ ارادہ ہے کہ تم لوگوں سے ہر گناہ کو دور رکھے اے اس گھر والو! اور اللہ تمہیں پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔(سورۃ الاحزاب ۳۳، آیت ۳۳)

جناب زینبؑ نے فرمایا:

"ابن زیاد! بے آبرو وہ ہوتا ہے جو سیاہ کار و بد اطوار ہو، نیز جھوٹا وہ بنتا ہے جو آئین کی خلاف ورزی کرے، قانون کے پرزے اُڑائے اور وہ ہم نہیں! کوئی اور ہوگا!"

تلوار کی باڑھ جیسے اس تیز جواب سے خدا کے دشمن، عبیداللہ کی

آنکھوں میں خون اتر آیا۔ چٹیلے ناگ کی طرح کئی بل کھا کر اس نے بڑی گستاخی سے کہا:

كَیْفَ رَاَیْتِ صُنْعَ اللّٰهِ فِی اَهْلِ بَیْتِكِ وَاَخِیْكِ؟

دیکھا! اللہ نے تمہارے کنبے کی کیا گت بنائی! اور تمہارے بھائی پر کیسا حشر توڑا؟

بات اب حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا کی برداشت سے باہر ہو چکی تھی۔ اقدار و نظریات کی کھلی توہین! اس کے علاوہ ابنِ زیاد انتہائی شقاوت کے ساتھ عقیلۂ بنی ہاشم کے طہارتِ نسب، تقدّس مآب خاندان اور زینب سلام اللہ علیہا کے فخرِ کائنات، عزیز اور شہید بھائی کے بارے میں ہرزہ سرائی کر رہا تھا۔ نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا کلمہ پڑھنے والا گرچہ دکھاوے ہی کے لئے تھا، آل نبیؐ کی توہین کر رہا تھا، اب ثانیٔ زہرا سلام اللہ علیہا کے تیور ایسے بدلے کہ "برق و آتش" کا ایک آتش فشاں پہاڑ ابل پڑا، ارشادفرمایا:

مَارَاَیْتُ اِلَّا خَیْرًا۔ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمُ الْقَتْلَ فَبَرَزُوْا اِلٰی مَضَاجِعِهِمْ وَسَیَجْمَعُ اللّٰهُ بَیْنَكَ وَبَیْنَهُمْ فَتَحَاجُّ وَتَخَاصَمُ، فَانْظُرْ لِمَنِ الْفَلَجُ، یَوْمَئِذٍ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ یَابْنَ مَرْجَانَةَ۔

اُس خدائے تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہم کو جناب محمد مصطفیٰؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے باعث فضیلت عطا فرمائی اور دنیا کی تمام آلائشوں سے پاک و پاکیزہ فرمایا۔ بے شک فاسق، ذلیل اور رسوا ہوتا ہے اور فاجر جھٹلایا جاتا ہے۔ خدا کا شکر ہے ہم ان میں سے نہیں بلکہ وہ دوسرے لوگ ہیں۔

پسرزیادنے دریافت کیا:

''خدا کا سلوک تم نے اپنے خاندان والوں کے ساتھ کیسا دیکھا؟''

جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا نے جواب دیا:

''مشیّتِ ایزدی یہی تھی کہ وہ شہید ہوں اور وہ لوگ نہایت بہادری سے اپنی آخرت کی طرف گئے اور بہت جلد خدائے بزرگ و برتر تم کو اس مقام پُرسش پر کھڑا کریگا اور وہ لوگ اس سے انصاف کے متدعی ہونگے۔ جب آمنا سامنا ہوگا تب دیکھنا! مظلوم کی فریاد کیا رنگ لاتی ہے! اور خونِ ناحق کیا اثر دکھاتا ہے!''

''مرجانہ کے جائے! تیری ماں کی کوکھ اجڑے! وہ تیرا سوگ منائے! سن! ہاں سن! داورِ محشر جس دن انصاف کرے گا اس دن تجھے پتہ چلے گا کہ کون جیتا کون ہارا؟''

کربلا کی پاسبان اور حسینیتؑ کی نگہبان زینب سلام اللہ علیہا نے کوفے کے ''فرماں روا'' کو ذلیل اور ناچیز کرنے میں جو دلیری دکھائی اور اسے نیچا دکھانے میں جس بے جگری سے کام لیا وہ شجاعت و شہامت کی تاریخ میں ایک انوکھی مثال ہے! یہ شیر دل خاتون، علیؑ کی بیٹی اور نبیؐ کی نواسی کا ہی دل و جگر تھا کہ سخت نامساعد حالات میں پُرسکون ہیں اور ظلم کا اسلامی اقتدار کے تحت جواب دے رہی ہیں۔

حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا کے جواب سے ابنِ زیاد ہکّابکّا رہ گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ہو۔ اب اس میں سکت نہیں رہی، غرور ٹوٹ گیا اور اس کی سیاست جواب دے گئی اور ریاست زلزلوں کی زد میں آگئی۔

احساسِ کمتری کے بوجھ سے اس کے اعصاب جواب دے گئے۔ کوئی جواب نہیں بن پڑ رہا تھا۔ باالآخر کھسیان پن مٹانے کے لئے ظالم نے اپنی زبان کھولی تو اس عنوان سے:

لَقَدْ شَفَى اللّٰهُ قَلْبِي مِنْ طَاغِيَتِكَ الْحُسَيْنَؑ وَالْعُصَاةِ الْمَرَدَّةِ مِنْ اَهْلِ بَيْتِكَ۔

تمہارے سرکش بھائی اور خاندان کے دوسرے باغی افراد کے قتل سے خدا نے میرا کلیجہ ٹھنڈا کر دیا۔

ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نواسی نے چشمِ خوں بار سے ماحول پر ایک نظر ڈالی۔ صورت حال کا جائزہ لیا اور پھر کمالِ تمکنت سے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ قَتَلْتَ كَهْلِي وَاَبَرْتَ اَهْلِي وَقَطَعْتَ فَرْعِي وَاجْتَثَثْتَ اَصْلِي،

فَاِذَا فِي هٰذَا شِفَاؤُكَ فَلَقَدِ اشْتَفَيْتَ!

ابنِ زیاد! تو نے ہمارے بڑوں کو تہ تیغ کیا۔ ہمارے عزیزوں میں سے کسی کو نہ رہنے دیا۔ ہمارے سایہ دار درخت☆ کی شاخیں کاٹ دیں۔ ہمارے پھولے

☆ اس وقت جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا کو بچپن کا خواب اور نانا حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی تعبیر ضرور یاد آئی ہوگی جس خواب کا ذکر کتاب کے ابتدائی حصہ میں آچکا ہے۔

پھلے درختِ کو جڑ سے نکال ڈالا! اب اگر قلب و جگر کی آگ یوں ہی بجھتی ہے تو پھر بجھنے کو تو سمجھ لے کہ ٹھنڈک پڑ گئی! حقیقت روزِحشر آشکار ہوگی۔ اس وقت تم ہو گے اور آتشِ جہنّم کے انگارے ہونگے۔

ابنِ زیاد نے رسول زادی صلواۃ اللہ علیہا کے یہ حقیقت شعار جملے سنے تو کہنے لگا:

"یہ تمہاری لفاّظی اور شاعرانہ اندازِ سخن ہے حقیقت یہ ہے کہ تمہارا باپ بھی اسی طرح لفاّظی اور شاعری کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتا تھا"۔

علیؑ کی بیٹی نے ابنِ زیاد کی گستاخانہ گفتگو سن کر غصے میں فرمایا:

"کیا تجھے شرم نہیں آتی کہ رسولؐ زادی پر اس طرح تہمت لگاتا ہے اور حقائق پر پردہ ڈالنے کے لئے بدکلامی پر تل گیا ہے۔ میں نے جو کچھ بیان کیا یہ شاعری نہیں بلکہ ایک تلخ حقیقت ہے جو میرے دکھی دل کی آواز ہے۔ ہم دنیا والوں کے عام شاعروں کی طرح بے معنی الفاظ استعمال نہیں کرتے بلکہ ہماری ہر بات حقیقت کی ترجمان ہوتی ہے"۔☆

کربلا کی شیر دل خاتون نے اس خوفناک فضا میں ابنِ زیاد کی اسلام دشمنی سے پردہ اٹھایا اور اس ناپاک طینت شخص کو اس کے ایوانِ اقتدار ہی میں رسوا کر دیا جس کا مشاہدہ وہاں بیٹھے ہوئے ان سب وشتم

☆ ماخوذ از: زینبؑ زینبؑ ہے، م۔ صادق۔ ص ۳۱۵

شعار افراد نے کیا جو ابن زیاد کی دہلیز سلطنت پر اپنی پیشانی رگڑ رگڑ کر اپنے احساسِ آدمیت سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔

اس کے بعد ابنِ زیاد نے اپنے ایوانِ اقتدار میں اسارت و مظلومیت کی زنجیر میں جکڑے ہوئے اہلِ بیتؑ کے اسیروں پر نظر ڈالی تو اس کی نگاہ بیمار کربلا امام زین العابدینؑ پر پڑی جو بیماری کے غلبے اور سفر کی صعوبتوں سے بے حال ہو چکے تھے۔ ابن زیاد نے سیدالسجادؑ کی جانب اشارہ کر کے دریافت کیا:

ابن زیاد: آپ کون ہیں؟

امامؑ: میں علی بن حسینؑ ہوں۔

ابن زیاد: کیا خدا نے علی بن الحسینؑ کو قتل نہیں کیا؟

امامؑ نے جواب دیا:

"میرا ایک اور بھائی جس کا نام علی (حضرت علی اکبر) تھا جن کو تیرے ظالم لشکر نے شہید کر دیا ہے۔ اس نوجوان کے خونِ ناحق کے متعلق قیامت کے دن تم سے پوچھا جائے گا"۔

ابن زیاد امامؑ کا جواب سن کر غصے میں آگیا اور بلند آواز سے کہنے لگا میرے لشکر نے نہیں بلکہ خدا نے اسے قتل کیا ہے۔

اس گستاخی پر امامؑ سے رہا نہ گیا۔ آپ نے فرمایا:

"تو نے غلط کہا ہے وہ تم ستمگروں کے ہاتھوں شہید ہوا

ہے۔ البتہ جب موت کے سائے کسی پر چھا جاتے ہیں تو اس کی روح خدا کے حکم سے قبض ہوتی ہے جس کا اختیار خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں''۔

اس کے بعد امامؑ نے قرآن مجید کی یہ آیات پڑھی:

اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا

اللہ لیتا ہے جانوں کو ان کے مرنے کے وقت

(سورۃ الزمر ۳۹، آیت ۴۲)

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

اور کوئی ذی روح دنیا سے مر نہیں سکتا، مگر اللہ کے حکم سے۔

(سورہ آل عمران ۳، آیت ۱۴۵)

امام زین العابدینؑ کا منہ توڑ جواب سن کر ابن زیاد غصے سے کہنے لگا:

''تیری کیا مجال کہ میرے سامنے بات کرے۔ تجھے میرے سامنے گستاخی کی جرأت کیسے ہوئی، تجھے میرے سامنے اونچا بولنے کی سزا بھگتنی پڑے گی''۔

اس کے بعد اس شقی نے ایک جلاد کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ اس نوجوان کو لے جاؤ اور اس کی گردن اڑا دو۔

سیّدہ زینبؑ ابنِ زیاد کی بربریت کا مشاہدہ کر رہی تھیں اس شقی کی بات سن کر علیؑ کی بیٹی اپنے اوپر قابو نہ پا سکی، ظالم و ستمگر حکمران کی پرواہ کئے بغیر امامؑ سے لپٹ کر ابنِ زیاد سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں:

''کیا آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ناحق خون میں اپنے ہاتھ رنگین کرنے سے تیرے دل کی تسکین نہیں ہوئی اب یہ ایک (بیمار کربلا) ہی ہمارے خاندان کی نشانی بچ گیا ہے۔ اس کی طرف بری آنکھ مت اٹھانا ورنہ تجھے میری لاش سے گزر کر جانا ہو گا اور جب تک میری جان میں جان ہے تم زین العابدینؑ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے''۔

ابنِ زیاد نے رسول زادی کی بے مثال جرأت و شجاعت کے سامنے ہتھیار ڈال دیا اور جلّاد کو حکم دیا:

''اسے کچھ نہ کہو ورنہ زینب صلواۃ اللہ علیہا کے خون میں ہاتھ رنگین کرنے پڑیں گے جو ہمارے لئے دشوار ہے اور ہم اس کے سنگین نتائج برداشت نہیں کر سکیں گے''۔

اگر علیؑ کی بیٹی شجاعت و پائیداری کا ثبوت نہ دیتی تو امام زین العابدینؑ شاید شہید ہو جاتے اور اہلِ بیتؑ کی نسل ختم ہو جاتی اور دنیا میں اولاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا۔ یہ زینب صلواۃ اللہ علیہا ہی کی عظیم کردار کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا میں اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا نام باقی اور اسلام زندہ ہے۔ یہ زینب صلواۃ اللہ علیہا ہی کی جرأتِ کلام کا اثر ہے کہ آج امامت کا مقدّس سلسلہ بقاء عالم کا سبب بن چکا ہے۔ یہ زینب صلواۃ اللہ علیہا ہی کی عظمتِ سخن کی

تاثیر ہے کہ دنیا میں کلمۂ توحید کی صدائیں گونج رہی ہیں☆۔ ورنہ یزیدی فوج نے تو اپنے طور پر خاندانِ نبوّت کو ختم کر دیا تھا۔

قید خانے میں قیدیوں کی آمد

اس کے بعد ابن زیاد نے حکم دیا کہ رسولؐ زادیوں کو تنگ و تاریک قید خانوں میں بند کر دیا جائے۔ چنانچہ جب علیؑ کی بیٹیوں و نبیؐ کی نواسیوں کو قید خانے کی طرف لایا گیا اس وقت شہر کی گلیاں اور کوچے مردوں اور عورتوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔

اشقیاء نے رسولؐ زادیوں کو ایسی کوٹھریوں میں بند کر دیا جہاں نہ تو روشنی تھی اور نہ ہی تازہ ہوا۔ شہر کی عورتوں نے سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہا سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو سیّدہ نے فرمایا۔ ہم اس وقت قیدی ہیں اور ہماری آزادی سلب ہوچکی ہے۔

بنی اُمیّہ نے جو ستم اہلِ بیتؑ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر ڈھائے اس کی مثال تاریخِ انسانیت میں کہیں نہیں ملتی۔ تنگ و تاریک کوٹھریوں میں رسولؐ زادیوں کو محبوس کر کے فتح و کامیابی کا جشن منانے والے آمروں کا وجود تاریخ کے پاکیزہ دامن پر بدنما داغ ہے اور انہی بدطینت

☆ ترویج دین اگرچہ بقتل حسینؑ شُد
تکمیل آن بموی پریشان زینبؑ است

لوگوں نے اپنے گھناؤنے کردار سے اسلام کے مقدّس نام کی عظمتوں کو پامال کردیا۔ کاش یہ لوگ خود کو مسلمان کہہ کر اسلام کو داغدار نہ کرتے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ابنِ زیاد کو اس کے بعد کبھی آرام نصیب نہیں ہوا۔ اس لئے کہ کربلا کے قافلے کی ترجمان حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا نے اسلامی فکر اور انسانی ضمیر کو کچھ اس طرح جگا دیا تھا کہ یہ بیداری ایک باقاعدہ تحریک بن گئی اور کوفے سے لے کر شام تک تمام محلوں اور سارے شبستانوں کے چراغ گل ہوتے نظر آنے لگے۔ (یزید جلد نارِ جہنّم بنا)[(۱)]، اس کے بیٹے معاویہ کو تخت پر بٹھایا گیا، یہ ایک نیک دل انسان نکلا، یہ کہتے ہوئے ''بنی امیہ نے آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر بڑا ظلم کیا'' خلافت و ولایت اور امامت ان کا حق تھا اقتدار کو ٹھوکر[(۲)] ماری اور گوشہ نشین ہو گیا۔ نیتجتاً امارت آل ابی سفیان سے نکل کر آل مروان میں چلی گئی۔

---

(۱) یزید ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو جہنّم رسید ہوا۔ یزید نے کل تین برس چھ ماہ حکومت کی اور بے شمار مظالم کیے۔ (تاریخ الخلفاء، جلاالدین عبدالرحمٰن ابن ابی بکرالسیوطی، ص ۶۳۲)

(۲) ''یزید کے مرتے ہی معاویہ بن یزید کی بیعت شام میں ہوگئی، عبداللہ ابن زبیر حجاز اور یمن میں، عبیداللہ ابن زیاد عراق میں خلیفہ بن بیٹھے۔ معاویہ بن یزید حلیم و سلیم الطبع جوانِ صالح تھا وہ اپنے خاندان کی خطاؤں اور برائیوں کو نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا اور علیؑ اور اولاد علیؑ کو مستحقِ خلافت جانتا تھا''۔
(''تاریخ اسلام'' جلد ۱، ص ۳۷، ماخوذ از ''کربلا اور کربلا کے بعد''، ارتضٰی نوازپوری۔ ص ۲۵۵، ۲۵۶)

(بقیہ اگلے صفحے پر)

جناب زینبؑ کے خطبوں کا اثر

یہ عقیلۂ بنی ہاشم ہی کی تقریروں اور مکالموں کا اثر تھا جو صحابیٔ رسولؐ عبداللہ ابن عفیف ازدی بھرے مجمع میں سراپا احتجاج بن گئے۔ اسی طرح

(پچھلے صفحے کا بقیہ)

معاویہ بن یزید حکومت سے متنفر تھا اور اس کو قبول کرنے پر ہرگز تیار نہ تھا مگر بنی اُمیہ اور ان کے حاشیہ نشینوں نے اس کو تخت پر بٹھا دیا اس نے لوگوں کے سامنے ایک طویل تقریر کی جس میں اپنے دادا معاویہ اور باپ یزید کے ظلم و استبداد کے واقعات بیان کئے اور اہلِ بیتؑ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے فضائل ومناقب پر روشنی ڈالی اور مصائبِ امام حسینؑ کا تذکرہ کیا، اس کی تقریر کتبِ تواریخ میں محفوظ ہے۔ ہم اس تقریر کو ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن مصری کی کتاب سے ذیل میں نقل کرتے ہیں:

> ''لوگو! میرے دادا امیرمعاویہ نے اس شخص (حضرت علیؑ) سے حریفانہ مقابلہ کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے خلافت کا مستحق تھا۔ تم جانتے ہو انہوں نے سب کچھ تمہارے بل بوتے پر کیا تھا وہ اپنی راہ گئے اور گناہوں کی گٹھری قبر میں ساتھ لے گئے ان کی موت کے بعد میرے باپ یزید نے خلافت حاصل کی حالانکہ وہ اس کا اہل نہ تھا، اس نے اپنی نفسانی خواہشات پر عمل کیا لیکن موت نے زیادہ دیر تک اس کا موقع نہ دیا اور بالآخر وہ بھی اپنے گناہوں کی پوٹلی لے کر قبر میں پہنچ گیا''۔

اس کے بعد وہ اتنا رویا کہ دونوں رخسار آنسوؤں سے تر ہوگئے۔ تقریر جاری رکھتے ہوئے مزید کہا:

> ''ہمارے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ یہ احساس ہے کہ ان کا انجام بد ہے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے خاندان کے لوگوں کو شہید کیا، حرم مطہر میں قتل و خونریزی کی، کعبہ کی بے حرمتی کی اور اسے خراب کیا، میں اس بارِ خلافت کا متحمل نہیں ہو سکتا، مشورہ کر کے کسی دوسرے کو خلیفہ منتخب کرلو''۔

تقریر ختم کر کے محل میں داخل ہوا، اس کے اعزاء اس کے دشمن ہو گئے اور اس کو زہر دے دیا۔

خاندانِ غامد اور بنو وائلہ کے بعض جیالے بھی حکومت کی مخالفت میں سرگرمِ عمل ہو گئے اور پھر یہ بات اتنی عام ہوئی کہ گھر گھر بغاوت کے پرچم لہرائے جانے لگے اور جگہ جگہ شہر آشوب کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ بڑے بڑے فوجی افسر استعفیٰ دینے لگے۔ شہر کے معزز باشندوں نے کوفہ چھوڑنا شروع کر دیا اور جلد ہی زندان کے دروازے ٹوٹنے شروع ہوگئے۔

ان حالات پرتبصرہ کرتے ہوئے ''الامامت والسّیاست'' کے مؤلف ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ:

> ''عبیداللہ ابنِ زیاد کو یہ برا وقت بھی دیکھنا پڑا کہ بصرے جیسے شہر میں جہاں وہ گورنر تھا جب وہ تقریر کرنے کھڑا ہوتا تھا تو عوام اس پر اینٹوں اور پتھروں کا مینہ برساتے تھے۔ اسی کو مکافاتِ عمل کہتے ہیں!''

کربلا سے کوفہ تک کے واقعات آپ نے پڑھ لئے، آپ پر کیا بیتی اور آپ نے کیا محسوس کیا آپ بہتر جانتے ہیں۔ کربلا سے کوفہ تک کا سفر کتنے دنوں میں طے ہوا، کاروانِ حسینیؑ کتنے دنوں کوفہ میں رکھا گیا اور کب دمشق کے لئے روانہ کیا گیا یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن قدیم مورخین کے بیان کے مطابق اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قافلہ ماہِ صفر کی ۲۰/ تاریخ ۶۱ھ کو دمشق جاتے ہوئے واردِ کربلا ہوا۔ اسی روز سیدانیوں نے شہدائے کربلا کی صفِ ماتم بچھائی گویا ۲۰/ صفر ۶۱ھ کو شہدائے کربلا کا پہلا

چہلم منایا گیا۔

مورخین کے بیان کے مطابق صحابیٔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ وہاں موجود تھے یہی سیّد الشہداء کے پہلے زائر شمار ہوتے ہیں۔ ان کے ہمراہ ان کے دوست ''عطا'' بھی موجود تھے۔ انہوں نے عابدِ بیمار علی زین العابدینؑ کو نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا پرسہ دیا اور کافی دیر تک حادثۂ کربلا پر گریہ کرتے رہے۔

اگرچہ بعض روایتوں میں منقول ہے کہ قافلۂ حسینیؑ پہلے کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق لے جایا گیا اور پھر دمشق سے مدینہ جاتے ہوئے کربلا سے گزارا گیا اور ۲۰ر صفر ۶۱ھ کو شہداء کا پہلا چہلم کربلا میں منایا گیا لیکن اُس دور میں رسل و رسائل (Transport) کی سہولتوں اور فاصلوں کو ذہن میں رکھا جائے تو یہ ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ موجودہ شاہراہ کے ذریعہ کربلا سے کوفہ کا فاصلہ ۷۵ کیلومیٹر ہے اور کوفہ سے دمشق کا فاصلہ ۹۶۸ کیلو میٹر ہے۔ یزیدی لشکر کی نگرانی میں قافلۂ حسینیؑ کو کوفہ سے دمشق نہایت طولانی راستہ سے لے جایا گیا تھا لہٰذا یہ کہنا کہ قافلۂ حسینیؑ کو کربلا سے کوفہ اور دمشق سے مدینہ جاتے ہوئے کربلا سے گزارا گیا اور ۲۰ رصفر ۶۱ھ کو کربلا پہنچا ، بعید از امکان ہے۔ ہاں یہ کہا اور سمجھا جا سکتا ہے کہ قافلۂ حسینیؑ کربلا سے کوفہ اور پھر کوفہ سے کربلا ہوتا ہوا دمشق اور پھر وہاں سے مدینہ روانہ کر دیا گیا۔ دمشق سے مدینہ جاتے ہوئے یہ قافلہ ۲۰ صفر ۶۲ھ کو

دوبارہ کربلا سے گزارا گیا ، سفر کی تفصیل کچھ یوں ہے:

قافلۂ حسینیؑ کربلا سے کوفہ اور پھر کوفہ سے کربلا ہوتا ہوا دمشق روانہ کر دیا گیا۔ قافلہ مختلف منازل سے گزرتا ہوا دمشق پہنچا۔ یہاں صرف خاص خاص منازل کا ذکر کیا جا رہا ہے جو حضرات قافلہ کا تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیں ان سے گزارش ہے کہ اس کتاب کے آخر میں حصّہ کتابیات میں مندرج کتابوں کا مطالعہ فرمالیں۔

منازلِ قافلۂ حسینی علیہ السلام

دریائے دجلہ

دریائے فرات

کوفہ

رہیمیہ

کربلا

تکریت

وادیٔ نخلہ

لیا

موصل

بلادالعرب

ذات العرق

مکہ

مدینہ

بدر

جدہ

عسفان

معدن النقرہ

الحاجر

سمیرا

توز

فید

الاجفر

الخزیمیہ (زرود)

الثعلبیہ

زبالہ

العقبہ

واقصہ

القرعاء

شراف (المغیث)

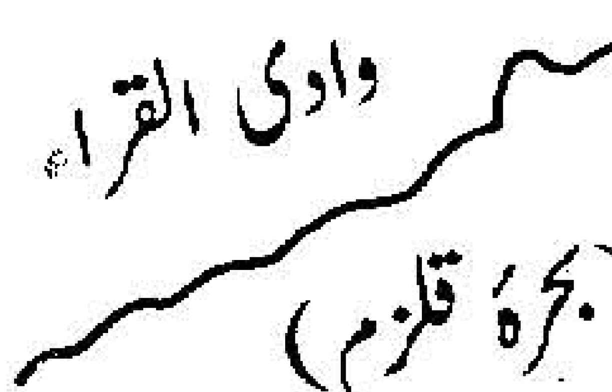
قطقطانہ

دمشق

ذات المنازل

البحرالاحمر

وادی القراء



قافلہ حسینی علیہ السلام کی کوفہ سے دمشق روانگی

منزلِ کربلا

اہلِ بیتؑ کا قافلہ کوفہ سے روانہ ہو کر کربلا پہنچا لہٰذا کربلا اس قافلے کی پہلی منزل تھی۔ مورخین کے بیان کے مطابق جس روز یہ قافلہ کربلا پہنچا ماہ صفر ۶۱ھ کی ۲۰ تاریخ تھی ، اسی روز سیّدانیوں نے شہدائے کربلا کی صفِ ماتم بچھائی۔ گویا کہ امام مظلومؑ کا پہلا چہلم بپا ہوا۔ اس موقع پر صحابیٔ رسول حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ وہاں موجود تھے۔ یہ سید الشہداء علیہ السلام کے سب سے پہلے زائر ہیں۔ ان کے ہمراہ ان کے دوست "عطا" بھی تھے۔ انہوں نے عابدؑ بیمار کو نواسۂ رسول کا پرسہ دیا اور کافی دیر تک گریہ کیا۔ (حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کا ذکر پچھلے صفحہ میں آچکا ہے۔یہاں صرف ربط برقرار رکھنے کے لئے دوبارہ لکھا گیا ہے۔)

منزلِ تکریت

ملاّ حسین واعظ کاشفی کے بیان کے مطابق تکریت☆ کی آبادی کوفہ سے

☆ صدر صدام کا یہی آبائی شہر تھا ، جس نے تقریباً تین ہفتے تک امریکی و برطانوی فوج سے مقابلہ کرنے کے بعد ۱۸ اپریل ۲۰۰۳ء کو شکست کھائی، خود روپوش ہوگیا لیکن عراق کو برباد کر گیا اس کے بعد عراق پر امریکہ نے قبضہ کر لیا۔ لیکن گوریلا جنگ جاری ہے۔ واضح رہے تکریت بغداد اور موصل کے درمیان ایک شہر ہے جو بغداد سے ۳۰ فرسخ کے فاصلہ پر ہے۔

تقریباً نوے میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ حسینی قافلہ یزیدی لشکر کی نگرانی میں کربلا سے روانہ ہو کر تکریت کے قریب پہنچا تو شمر نے حاکم شہر کو اپنی آمد کی خبر کرائی اور قاصد کے ذریعے حکم بھیجا کہ شہر کو سجایا جائے اور لشکرِ یزید کا شایانِ شان استقبال کیا جائے۔ یہاں کے حاکم نے شمر کی خواہش کے مطابق شہر کو آراستہ کیا ، یزیدی افواج کے استقبال کی تیاریاں کیں اور خود نہایت تزک و احتشام کے ساتھ سوار ہو کر یزیدی فوج کا استقبال کرنے شہر کے باہر پہنچا۔ جب معززین شہر نے شہداء کے سروں کو دیکھا تو ان کی عجیب کیفیت ہوگئی ، انہوں نے سروں کی بابت دریافت کیا تو انہیں بتایا گیا کہ ایک خارجی نے حکومت کے خلاف بغاوت کی تھی جسے عبید اللہ ابن زیاد نے قتل کردیا۔ یہ اس کا اور اسکے ساتھیوں کے سر ہیں۔ اسی اثناء میں ایک شخص جو کوفہ سے آ رہا تھا وہاں پہنچ گیا ، اس نے لوگوں کو واقعہ کربلا کی تفصیل بتائی اور حقیقت حال کا انکشاف اس طرح کیا کہ:

''اے لوگو! میں ابھی کوفہ سے آیا ہوں میں نے اس سر کو کوفہ میں دیکھا تھا۔ یہ کسی خارجی کا سر نہیں بلکہ یہ امام حسینؑ بن علیؑ ابن ابی طالب کا سرِ اقدس ہے''۔

اہلِ تکریت کو جب اصل واقعات کا پتہ چلا تو وہ سب یزیدی افواج کے سخت مخالف ہو گئے اور یزیدیوں پر لعنت بھیجنے لگے۔ اس شہر میں

عیسائیوں کی بھی بہت بڑی آبادی تھی۔ وہ سب بھی اُنہیں لوگوں کے ساتھ ہوگئے اور ایک دل اور ایک زبان ہو کر کہنے لگے کہ ہم اس قومِ شقی کا کبھی ساتھ نہ دیں گے جو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسہ کو قتل کریں اور خوشی منائیں۔ لشکرِ یزید نے صورتحال کی نزاکت کو دیکھ کر تکریت شہر میں نہ اترنے کا فیصلہ کیا اور ''دارِ عروہ'' میں پڑاو ڈال دیا جو شہرِ تکریت سے تھوڑے سے فاصلہ پر تھا۔

منزل وادیٔ نخلہ

ملا حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ اسیروں کا قافلہ دارِ عروہ سے چل کر کحیل☆ سے گزر کر موصل پہنچا تھا۔ مقتل ابو مخنف اور ناسخ التواریخ کے بیان کے مطابق یہ قافلہ دارِ عروہ سے گزر کر وادیٔ نخلہ پہنچا۔ ایک دن اور ایک رات وہاں قیام کیا اور دوسرے دن وہاں سے کوچ کیا۔

منزلِ ''لیا''

شہر لیا نہایت حسین و خوبصورت شہر تھا۔ جب شمر یہاں پہنچا تو اس شہر کے باشندوں نے شہداء کے سروں کو دیکھ کر یزیدیوں پر لعنت کی اور

☆ کحیل دجلہ کے کنارے بہت بڑا شہر تھا لیکن اب اس شہر کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔
(حوالہ معجم البلدان جلد ۴ ص ۴۳۹)

یزیدیوں کو مخاطب کر کے کہا:

"اے اولادِ رسولؐ کو شہید کرنے والو! ہمارے شہر سے نکل جاؤ ہم تم کو اپنے شہر میں ہرگز نہیں ٹھہرنے دیں گے"۔

لشکر یزید نے جوابی کاروائی میں ان پر حملہ کر دیا اور ان کے بہت افراد قتل کر دیئے اور لوٹ مار کر کے شہر کو تباہ و برباد کیا اور مقام کحیل ہوتا ہوا موصل پہنچا۔

منزلِ موصل

موصل☆ عراق کا ایک تاریخی شہر ہے اور عراق کے شمالی حصہ میں واقع ہے۔ ملا حسین واعظ کاشفی کے بیان کے مطابق یہ شہر کوفہ سے تقریباً سواتین سو میل فاصلے پر واقع ہے۔ جس وقت یہ لوگ شہرِ موصل میں پہنچے تو شمر بن ذی الجوشن ملعون نے حاکمِ شہر کو لکھ بھیجا کہ ہم لوگ فتح و نصرت کے ساتھ مع سر ہائے مقتولین (شہدائے کربلا) تمہارے شہر میں عنقریب داخل ہونے والے ہیں اس لئے تم کو ہدایت کی جاتی ہے کہ تم اپنے شہر کے تمام کوچہ و بازار مع قصرِ امارت بزیب و زینت تمام آراستہ و پیراستہ کرو۔ جب شمر ملعون کا ہدایت نامہ پہنچا تو امیر موصل نے اپنے شہر کے تمام لوگوں کو بلا کر مضمونِ خط سنا دیا اور ان سے یہ کہا کہ اگر ان لوگوں

☆موصل مشہور قدیم شہر ہے۔ جو دجلہ کے کنارے واقع ہے شہر کے بیچ میں جرجیس پیغمبر کی قبر ہے۔

کو ہم اس حالت میں شہر میں بلا کر اپنا مہمان کریں تو تم لوگ کسی فتنہ و فساد کے باعث تو نہ ہو گے اور یہ امر تم لوگوں کے رنج و ملال کی وجہ تو نہ ہوگا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم کبھی اس امر پر رضا مند نہ ہوں گے۔ چنانچہ حاکم موصل نے شمر کو لکھ بھیجا کہ اس شہر میں بہت سے اہلِ بیتؑ کے ماننے والوں کی آبادی ہے اس لئے ہم تم کو اور تمہارے لشکر کو اپنے شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے کیونکہ وہ لوگ بگڑ جائیں گے۔ مناسب یہ ہے کہ تم لوگ شہر سے کچھ فاصلہ پر اترو۔ رسد و رسانی سے متعلق تمام اشیاء فراہم کر کے بھیج دی جائیں گی۔

کچھ روایتوں کے مطابق موصل شہر کے لوگوں کو اصل معاملے کا پتہ چلا تو چالیس ہزار سوار جن کا تعلق بنی اوس اور بنی خزرج سے تھا اکٹھے ہو گئے اور باہم قسمیں کھا کر معاہدہ کیا کہ ان ظالم لشکریوں کو قتل کر دیں گے اور سرِمبارک حسینؑ ان سے چھین کر خود دفن کر دیں گے تاکہ ان کا یہ عمل تا قیامِ قیامت باعث افتخار رہے۔ (مقتلِ ابی مخنف) لیکن لشکر والے شہر میں داخل نہ ہو سکے۔ شہر موصل سے متعلق یہ واقعہ خاص طور پر مشہور ہے کہ شمر بن ذی الجوشن نے قیام بیرون موصل کے وقت جناب امام حسینؑ کا سرِمبارک نیزہ سے اتارا تو ایک قطرہ خون ٹپک کر ایک پتھر پر گر پڑا تھا، اس پتھر سے ہر سال روزِ عاشورا خون تازہ نکلتا تھا۔ جس کی زیارت کے لئے قرب و جوار سے ہزاروں انسان جوق در جوق آتے تھے اور امام

مظلومؑ کا یہ اعجاز دیکھ کر دولتِ حق سے مالامال ہو کر جاتے تھے۔ وہاں کے لوگوں نے اس مقام کا نام ''شہید نقطہ'' رکھ دیا تھا۔ یہ سلسلہ کئی سال جاری رہا۔ حتیٰ کہ مروان بن حکم نے اپنی حکومت کے زمانہ میں اُس پتھر کو ضائع کروا دیا۔ پھر اس وقت سے آج تک اس کا پتہ نہیں چلا۔
(ناسخ التواریخ، ص ۲۴۴)

منزلِ سنجار

موصل کے صحرا سے نکل کر یہ قافلہ بلد اور تلِ عفر سے ہوتا ہوا سنجار پہنچا۔ علاّمہ ہاشم السعدی نے ''جغرافیۃ العراق'' میں لکھا ہے کہ سنجار یزیدی گروہ کی آبادی تھی۔ اس شہر کے نزدیک وادیٔ قضاً مشیخان واقع تھی جو یزیدیوں کا مقدس مقام تھا۔ یہاں یزیدیوں نے عیش و آرام کیا اور خوب شراب نوشی کی۔

منزلِ نصیبین

قافلۂ شمر جبل سنجار سے ہوتا ہوا نصیبین پہنچ کر قیام پذیر ہوا اور سرہائے شہداء اور اسیروں کی تشہیر کی۔ جناب زینبؑ یہ دیکھ کر رونے لگیں اور کہتی تھیں:

''ان لوگوں نے اپنی طاقت کی بناء پر ہماری عوام میں تشہیر کی حالانکہ ہمارے جد وہ تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے وحی

نازل فرمائی۔ تم لوگ اپنے خدا اور رسولؐ سے منکر ہو گئے جیسے کوئی پیغمبر تمہارے پاس آیا ہی نہ ہو۔ خداوند عَرشُ العُلیٰ تم لوگوں پر لعنت کرے۔ تم بدترین امت ہو۔ تم جہنم کی آگ میں چیختے چلاّتے رہو گے''۔

منزلِ دعوات

منزل نصیبین سے چل کر قافلہ عین الورد ہوتے ہوئے شہر دعوات پہنچا۔ شمر ملعون نے یہاں کے حاکم کو ویسا ہی اطلاع نامہ بھیجا جیسے پہلے موصل اور تکریت کے حاکموں کو لکھ بھیجا تھا۔ حاکم دعوات نے نہایت سرگرمی سے اس حکم نامہ کی تعمیل کی اور تمام شہر کو آراستہ و پیراستہ کیا اور نہایت تزک و احتشام سے شمر ملعون اور انکی فوج کا استقبال کیا اور شہر میں لایا اور وسط شہر میں اس مقام پر جسے ''رحبہ'' کہتے تھے، ایک بلند نیزہ پر امام حسینؑ کے سرِمبارک کو نصب کر دیا اور ایک آدمی کو اس کے نیچے چلا چلا کر کہنے کے لئے بٹھادیا:

هَـذَارَأسُ الْـخَـارِجـیُ عَـلَـیٰ یَزِیْد اِبْنِ مُعَاوِیَه

یہ اس شخص کا سر ہے جس نے یزید ابن معاویہ پر خروج کیا۔ معاذاللہ

الغرض وہ گمراہ صبح سے شام تک برابر چلاّ چلاّ کر یہی کہتا تھا۔ دیگر شہدائے کربلا کے سر بھی وہیں رکھے گئے۔ سروں کو دیکھ کر کچھ

لوگ خوش تھے اور کچھ غمگین۔ لشکرِ یزید نے شراب و کباب اور رقص و سرور کی محفل گرم کی اور رات گزار کر دوسرے روز روانہ ہوگئے۔

منزلِ رقہ

دعوات سے چل کر یہ قافلہ رقہ☆ پہنچا۔ دعوات اور رقہ کا درمیانی فاصلہ تقریباً پینسٹھ (۶۵) میل تھا۔ رقہ کو ابیضا بھی کہتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس شہر کی حکمرانی دو بھائی مشترکہ طور پر کیا کرتے تھے جن میں سے ایک کا نام سلیمان ابن یوسف تھا۔ شمر کے حکم پر یہ دونوں بھائی اپنے اپنے سپاہیوں کو لیکر استقبال کیلئے روانہ ہوئے۔ شہر کے دروازے پر دونوں بھائیوں میں تکرار ہوگئی جو باہمی لڑائی کا باعث بنی۔ اس لڑائی میں سلیمان نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا۔ اس خانہ جنگی کے باعث یزیدی لشکر تیزرفتاری سے آگے بڑھ گیا۔

منزلِ جوسق

رقہ سے کوئی تیس میل کے فاصلے پر ایک یہودیوں کی بستی تھی جس کا نام جوسق تھا اور یہاں کے حاکم کا نام عزیز تھا، شمر نے اہلِ بیتؑ کے لٹے ہوئے قافلے کے ساتھ رقہ کے بعد اس بستی میں قیام کیا۔

☆ رقہ فرات کے کنارے واقع ایک شہر ہے۔

منزلِ بشر

جوسق سے روانہ ہو کر لشکرِ یزید قافلے کے ہمراہ بشر پہنچا۔ بشر اور جوسق کا درمیانی فاصلہ تقریباً بائیس میل تھا، یہ ایک چھوٹی سی آبادی تھی، یہاں یزیدیوں نے قیام کیا اور اس کے بعد یہاں سے روانہ ہوئے۔

منزلِ حلب

حلب شام کی شمالی سرحد پر ایک بڑا شہر تھا یہ شہر اب تک آباد چلا آرہا ہے۔ لشکرِ یزید منزلِ بشر سے گزر کر حلب پہنچا۔ یہاں کی شامی آبادی نے ان لوگوں کا خیر مقدم کیا اور لشکرِ یزید حلب میں قیام کے بعد کوہِ جوشن سے گزر کر سرمین سے ہوتا ہوا قنسرین پہنچا۔

منزلِ قنسرین

یہ قافلہ حلب سے روانہ ہوکر شہر قنسرین☆ پہنچا۔ یہ شہر حلب سے ایک منزل پر واقع ہے، جو نہایت پُر رونق اور گنجان آباد جگہ تھی۔ جب اس لشکر کی آمد کی خبر قنسرین میں پہنچی تو ان لوگوں نے وہاں کے دروازے بند کر لئے اور اپنے گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر قاتلانِ امام مظلوم پر لعن

☆ قنسرین شام کا ایک شہر ہے جہاں حضرت صالحؑ کی قبر ہے۔

طعن کرنے لگے اور ان پر پتھر پھینکنے لگے اور کہنے لگے:

"اے قاتلان آل رسولؐ! اگر تم ہم سب کی گردنیں بھی تلوار کے نیچے رکھ دو گے تو ہم تم میں سے ایک کو بھی اپنے شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دینگے۔ چنانچہ قنسرین میں یزیدی لشکر داخل نہ ہوسکا۔ آخر کار اس نے شہر کے باہر ہی قیام کیا۔

منزلِ معرۃ النعمان

قنسرین سے روانہ ہو کر لشکر معرۃ النعمان پہنچا۔ یہاں کے باشندوں نے یزیدیوں کا نہایت پُرتپاک استقبال کیا اور ان کو عیش و آرام کا سامان مہیا کیا۔

منزلِ شیزر

معرۃ النعمان سے روانہ ہو کر یہ لشکر منزلِ شیزر پہنچا۔ وہاں کے ایک ضعیف العمر شخص نے بتایا:

"یہ لشکر نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم و فرزند علیؑ و بتولؑ کا سر لے کر آ رہا ہے ان بدبختوں کو ہرگز شہر میں داخل نہ ہونے دو۔ اگر ایسا ہوا تو ہم سب محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم و آل محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہ اجمعین کی اطاعت کی پیروی سے

خارج اور بدبختی و عذاب کا شکار ہو جائیں گے۔"

یہ خبر سن کر تمام لوگوں نے مل کر عہد کر لیا کہ اس لشکر کو اپنے شہر میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ لشکریوں کو معلوم ہوا تو فیصلہ کیا کہ اس شہر میں داخل نہیں ہوں گے۔

منزلِ قلعہ کفر طاب

شیزر سے فرار ہو کر لشکر یزید منزلِ کفر طاب پہنچا۔ یہ قلعہ شیزر سے کچھ ہی فاصلے پر تھا۔ قلعہ میں رہنے والوں کو جب حقیقت کا علم ہوا تو انہوں نے بھی قلعہ کے دروازے بند کر دیئے۔ خولی لعین نے آگے بڑھ کر ان لوگوں سے پوچھا:

"کیا تم لوگ ہماری حکومت میں نہیں ہو؟ ہمیں پانی پلواؤ"۔

یہ سن کر سب نے جواب دیا:

"خدا کی قسم! تم لوگوں کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہ دیں گے کیونکہ تم لوگوں نے حسینؑ اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کیا تھا"۔

منزلِ سیبور

جب یہ قافلہ سیبور کے قریب پہنچا تو امام زین العابدینؑ نے چند

یا قَوم لاَ کُفرَ بَعْدَ اِیمَانٍ وَلاَ ضَلاَلَ بَعدَ ھُدیٰ

لوگو ایمان کے بعد کافر اور ہدایت کے بعد گمراہ نہ ہونا۔

یہ دیکھ کر لشکر والے وہاں سے نکل آئے اور حاکم شہر خالد ابن شیط کے محل میں آکر پناہ لی۔ شہر کے لوگوں نے باہم قسمیں کھا کر عہد کیا کہ ہم خولی لعین کو قتل کر کے سرِ حسینؑ اس سے چھین لیں گے، تاکہ قیامت کے روز ہم اپنے اس عمل پر فخر کر سکیں۔ جب لشکر یزید کو خبر پہنچی تو وہاں سے ہراساں و پریشان بھاگ نکلا۔

منزلِ دیرِ راہب

یہ مقام شام کے عیسائیوں کی قدیم عبادت گاہ تھا جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہے یہاں عیسائیوں کا ایک بہت بڑا پادری رہا کرتا تھا۔ ''روضۃ الاحباب''، ''ضیا العین فی مقتل الحسین'' کی روایت ہے کہ دیرراہب میں پہنچ کر لشکرِ یزید نے گرجے کے قریب ایک چشمے کے کنارے قیام کیا اور امام حسینؑ کے سرِ مبارک کو ایک صندوق میں بند کر کے رکھ دیا۔ لشکر عیش و نشاط اور شراب نوشی میں مشغول ہو گیا۔ ناگاہ لشکر والوں نے دیکھا کہ ایک ہاتھ نمودار ہوا اور اس نے دیوار پر یہ شعر لکھا۔

أَتَرجُوْاُمَّۃٌ قَتَلَتْ حُسَیْناً   شَفَاعَۃَ جَدِّہٖ یَوْمَ الحِسَابِ

کیا وہ امت جس نے حسینؑ کو قتل کیا ہے روزِ قیامت ان کے جدّ (بزرگوار حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شفاعت کی امّید رکھتی ہے۔

لشکر والے یہ شعر پڑھ کر گھبرا گئے، بعضوں نے اس ہاتھ کو پکڑنے کی کوشش بھی کی مگر وہ غائب ہوگیا۔ کچھ دیر بعد ہاتھ پھر نمودار ہوا اور دوسرا شعر لکھا:

فَلاَ وَاللّٰہِ لَیْسَ لَھُمْ شَفِیْعٌ   وَھُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فِی الْعَذَابِ

خدا کی قسم ان لوگوں (قاتلانِ حسینؑ) کی شفاعت کرنے والا کوئی بھی نہ ہوگا اور وہ لوگ روزِ قیامت ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

یہ دیکھ کر لشکر والے خوفزدہ ہوئے۔ نصف شب کے بعد دیر کے راہب نے تسبیح و تقدیس کی آواز سنی اس نے گرجا کی کھڑکی کھول کر دیکھا تو وہ حیران و پریشان رہ گیا، اس نے دیکھا کہ گرجا کی دیوار کے پاس ایک صندوق رکھا ہے جس سے ایک نور ساطع ہے جس کی روشنی آسمان تک پہنچ رہی ہے فرشتگان خدا جوق در جوق آسمان سے اُتر رہے ہیں اور اس صندوق کے قریب آکر کہتے ہیں:

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکَ یَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اَلسَّلاَمُ عَلَیْکَ یَااَبَاعَبْدِاللّٰہِ

راہب پر گریہ طاری ہوگیا۔ اس نے باقی رات بے چینی سے گزاری۔ صبح ہوتے ہی وہ لشکر والوں کے پاس گیا اور دریافت کر کے لشکر کے سردار خولی کے پاس پہنچا۔ راہب اور خولی کے مابین اس طرح گفتگو ہوئی:

راہب : اس صندوق میں کیا ہے؟

خولی : اس میں ایک خارجی (معاذاللہ) کا سر ہے جس نے عراق میں خروج کیا تھا۔ عبید اللہ ابن زیاد نے اسے قتل کرا دیا۔

راہب : اس کا نام کیا ہے؟

خولی : حسینؑ ابن علیؑ ابن ابی طالب۔

راہب : اس کی ماں کا نام کیا ہے؟

خولی : فاطمہ بنتِ محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ۔

راہب : کون مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم جو تمہارا پیغمبر ہے؟

خولی : ہاں وہی۔

راہب : خدا تم کو تباہ و برباد کرے۔ ہمارے علماء نے کتنا سچ کہا ہے کہ جب کوئی شخص (نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) قتل کیا جائے گا تو آسمان سے خون برسے گا اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی نبیؐ یا کسی نبیؐ کا وصی شہید کیا جاتا ہے۔

راہب نے سرِ حسینؑ کو صندوق سے نکالنا چاہا لیکن خولی نے منع کردیا۔ آخر راہب نے خولی کو اس کی منشاء کے مطابق کئی ہزار درہم دے کر سرِ حسینؑ کو کچھ دیر کے لئے حاصل کیا۔ راہب نے سر کو بوسہ دیا اور کہا اے اَبَـا عَبدِاللّٰـہ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی کوئی مدد نہ کرسکا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے ولی ہیں اور آپ کا دین سچا ہے۔ میں

دین اسلام قبول کرتا ہوں آپ اپنے نانا کے سامنے گواہی دیجئے گا کہ میں نے ان کا کلمہ پڑھا اور پھر اس نے کہا:

اَشْهَدُاَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدًاالرَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

اس کے بعد راہب نے سرِ حسینؑ کو خولی کے حوالے کر دیا اور گرجا کی سکونت ترک کر کے ایسا غائب ہوا کہ پھر کسی کو نظر نہ آیا۔

منزلِ بعلبک

اس شہر کے حاکم نے لشکر یزید کا پر جوش استقبال کیا۔ شہر کو آراستہ کیا گیا اور اہلِ شہر نے انہیں خوش آمدید کہا۔ شہر میں ہر طرف چہل پہل تھی لوگ شاداں و فرحاں تھے۔ یہاں اہلِ بیت رسولؐ کی تشہیر کی گئی۔ اس وقت بعلبک لبنان میں ایک شہر ہے۔ جہاں حزب اللہ کی اکثریت ہے۔

منزلِ حران

یہ شہر دمشق سے ایک منزل پہلے اور بعلبک سے تین میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ معاویہ ابن ابی سفیان کے انتقال کے وقت یزید اسی شہر حران میں سیر و شکار اور عیش و نشاط میں مشغول تھا اور باپ کی وفات کے تین دن بعد پہنچا تھا۔ روضۃ الاحباب کے بیان کے مطابق جب یزیدی لشکر حران میں مقیم ہوا تو یحییٰ نامی ایک شخص اور ایک دوسرے شخص نے

سرہائے شہداء کی بابت دریافت کیا۔ جب یحیٰ کو معلوم ہوا کہ یہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے نواسے اور ان کے اصحاب کے سر ہیں تو وہ محمّد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم و آلِ محمّد صلواۃ اللہ علیہ اجمعین پر درود و سلام بھیجنے لگا اور یزیدیوں پر لعنت کرنے لگا۔ لشکرِ یزید نے اس کو قتل کر دیا۔ اس کی لاش شہر حران کے دروازے کے قریب دفن کی گئی۔ اس وقت سے اب تک اس کا مزار یحیٰ شہید کے نام سے مشہور ہے۔

آخری منزل دمشق

دمشق اُس زمانہ میں دارالخلافہ تھا اور آج بھی شام کا دارالخلافہ ہے۔ یہ وہی شہر ہے جہاں امیرِ شام ابن ابی سفیان نے انتالیس[۳۹] سال سے زیادہ حکومت کی اور اسی شہر میں دفن ہوئے لیکن آج ان کی قبر کا بھی پتہ نہیں اور نہ کوئی نام لیوا ہے۔ اسے کہتے ہیں قدرت کی کرشمہ سازی۔ تفصیل میری تصنیف ''حدیثِ عشق'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

شام میں قافلہ کے آمد کی تفصیل

یہ مصیبت زدہ قافلہ ماہِ صفر کی پہلی تاریخ کو دمشق میں وارد ہوا تھا۔ یزید نے حکم دیا کہ انہیں بابُ الساعات میں دروازۂ شہر پر روکے رکھیں۔ لیکن قافلہ بوجوہ باب الساعات کے بجائے بابِ ثوبا سے شہر میں داخل

ہوا۔ جب شہر کو زینت و آرائش کے ساتھ سجا لیا گیا تو انہیں شہر میں داخل ہونے کی اجازت دی گئی۔

بازار سجایا گیا ، دکانوں کو آراستہ کیا گیا۔ مرد ، عورتیں اور بچّے زرق و برق لباس پہن کر تماشا دیکھنے نکلے یا نکالے گئے پھر اہلِ بیتِ رسولؐ کے لٹے ہوئے قافلہ کو شہر میں داخل کیا گیا۔

یکا یک شور و غل کی آوز سنائی دی ، تمام لوگ ادھر متوجّہ ہوئے تو المناک منظر دیکھا۔ لشکر کے آگے آگے شمر بن ذی الجوشن ہے ، ہاتھ میں نیزہ ہے۔ اس کے پیچھے نیزوں پر ۷۲/۷۱ سر بلند ہیں۔ دیکھئے یہ شہدائے کربلا کے سر ہیں ، ان میں کچھ خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے عزیزوں کے اور کچھ ان کے رفقاء کے سر ہیں اور سب سے آگے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے نواسے حضرت امام حسینؑ کا سر ہے جو کسی حال میں جھکا نہیں،☆ کٹ کر بھی نیزے پر بلند ہوا اور دنیا میں آج بھی نہایت بلند مقام رکھتا ہے۔ یہ وہی امام حسینؑ ہیں جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا تھا:

حسینؑ منّی وانا من الحسینؑ، الحسنؑ والحسینؑ سیّدالشّبابِ اهلِ الجنّة

☆ جھکانا چاہا تھا جس سر کو شام والوں نے
شکست دیکھئے ، اُس سر کو خود اٹھا کے چلے

حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں اور حسنؑ وحسینؑ جنّت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

علّامہ اقبال نے فرمایا:

اک فقر ہے شبیری ، اس فقر میں ہے میری
میراثِ مسلماں ہے ، سرمایۂ شبیری
(اقبال)

شمر فخریہ انداز میں اکڑتا ہوا ، گردن اکڑاتا ہوا ، کاندھے اچکاتا ہوا چل رہا ہے اور کہتا جا رہا ہے:

اَنَا صَاحِبُ الرُّمحِ الطَّوِیلِ۔ اَنَا قَاتِلُ ذِی الَّذِینَ الاَصِیلِ۔ اَنَا قَتَلتُ اِبنَ سَیِّدِ الوَصِیِّینَ وَاَتَیتَ بِرَاْسِهٖ اِلیٰ اَمِیرِالمُوٴمِنِینَ۔

میں لمبے نیزہ کا مالک ہوں۔ میں وارث دینِ حقیقی کا قاتل ہوں ، میں نے ہی سیّدالوصیین (حضرت علیؑ) کے فرزند کو قتل کیا اور ان کا سر امیرالمومنین (یزید) کے پاس لایا ہوں۔

شمر جیسا ظالم خود تسلیم کرتا ہے کہ امام حسینؑ وارث دینِ حقیقی☆ ہیں۔

حق تو یہ ہے کہ حقیقت خود کو منوا لیتی ہے ، مانی نہیں جاتی۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دارو رسن کہاں

شمر کے پیچھے دیگر شہدائے کربلا کے سر ہیں ترتیب کچھ یوں ہے ،

☆ سوچتا ہوں کہ اسی قوم کے وارث ہم ہیں
جس نے اولاد پیمبرؐ کا تماشا دیکھا
(شورش کاشمیری)

قشعم جعفی کے نیزہ پر حضرت عبّاس ابن علیؑ کا سر بلند ہے۔ سنان بن انس کے نیزہ پر عون بن عبداللہ بن جعفر طیّار کا سر ہے۔ اس کے بعد دیگر شہدائے کربلا کے سر مختلف قاتلینِ شہدائے کربلا کے نیزوں پر بلند ہیں۔

کٹے ہوئے سر کی گواہی

حضرت امام حسینؑ کے کٹے ہوئے سر کا نیزے پر چڑھ کر بول پڑنا شہداء کے زندہ ہونے کی واضح اور ناقابل تردید دلیل ہے۔

حضرت منہال بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! جب حضرت امام حسینؑ کے سر کو نیزے کے اوپر چڑھائے گلیوں اور بازاروں میں پھرایا جارہا تھا تو میں دمشق میں تھا ، میں نے بچشم خود دیکھا کہ سر مبارک کے سامنے ایک شخص سورہ کہف پڑھ رہا تھا۔ جب وہ اس آیت پر پہنچا:

اَم حَسِبتَ اَنَّ اَصحٰبَ الکَهفِ وَالرَّقِیمِ کَانُوا مِن اٰیٰتِنَا عَجَبًا

کہ کیا تو نے نہیں جانا کہ بے شک اصحاب کہف اور رقیم ہماری نشانیوں میں سے ایک عجوبہ تھے۔ (سورۃ الکھف ۱۸ ،آیت ۹)

تو اللہ تعالیٰ نے سر مبارک کو قوت گویائی دی اور اس نے بزبان فصیح کہا:

اَعجَبَ مِنَ اَصحٰبِ الکَهفِ قَتلِی وَ حَملِی۔

اصحاب کہف کے واقعہ سے میرا قتل اور میرے سر کو لئے پھرنا زیادہ عجیب ہے۔☆

☆ سرالشہادتین: ۳۵ ، نورالابصار: ۱۴۹ ، شرح الصدور:۸۸ (اقتباس از فلسفۂ شہادت امام حسینؑ ، پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری صفحہ ۶۰، ۶۱)

بلاشبہ حضرت امام حسینؑ کا قتل کیا جانا اور آپ کو نیزے پر چڑھا کر پھرایا جانا یہ اصحاب کہف کے واقعے سے عجیب تر ہے کیونکہ اصحاب کہف جن لوگوں کے خوف سے گھر بار ، ساز و سامان وغیرہ چھوڑ کر نکلے اور غار میں چھپے تھے ، وہ کافر تھے لیکن حضرت امام حسینؑ آپ کے اہلِ بیت اور باقی ساتھیوں کے ساتھ ظلم وستم اور انتہائی بے حرمتی کرنے والے ایمان اور اسلام کے دعوے دار تھے۔ اصحاب کہف ولی اللہ تھے اصحاب کہف سال ہا سال کی نیند کے بعد اٹھے اور بولے لیکن بہر حال وہ زندہ تھے مگر امام پاکؑ کے سر انور کا جسم سے جدا ہونے کے کئی روز بعد نیزے کی نوک پر بولنا یقیناً اصحاب کہف کے واقعہ سے عجیب تر ہے۔

ان نیزوں کی صف کے عقب میں کمزور اور لاغر اونٹوں کی قطار ہے۔ ان اونٹوں پر اہلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بیبیاں اور دیگر خواتین سوار ہیں جو سب کی سب خستہ حال اور ناتواں ہیں لیکن تمام تر مصائب کے باوجود مطمئن اور پُرسکون ہیں اور کیوں نہ ہو! ان میں کوئی شہید کی ماں ہے تو کوئی شہید کی بہن اور کچھ شہیدوں کی بیویاں ہیں اور یہ وہ محترم خواتین ہیں کہ جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کردیا۔ نہایت مطمئن ہیں کہ سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کردیا ، حالات نہایت ہی تکلیف دہ اور کربناک ہیں لیکن چہرے سب کے مطمئن ، کیوں نہ ہوں ، نفس مُطمئِنّہ کے حامل ہیں۔

قافلہ بازارِ دمشق سے گزرتا ہوا مسجد جامع کے دروازے پر رکا۔ شمر نے عترتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اس جگہ کھڑا کیا جہاں ترک اور ویلم کے قیدی کھڑے کئے جاتے تھے۔

ایک شخص اسیروں میں ایک بچّی کے پاس آیا اور پوچھا:

مِـنْ اَیُّ السَّبَـایَـا اَنْتُـمْ؟

تم کون سے اسیروں سے ہو؟

فرمایا:

قَالَتُ : نَحْنُ سَبَایَا آلِ مُحَمَّدٍ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمُ

ہم اسیرانِ آل محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہیں۔

دوسرا بوڑھا آدمی ان قیدیوں کے پاس آکر ان پر سبّ وشتم کرنے لگا اور کہا:

"شکر ہے خدا کا کہ اس نے تمہارے لوگوں کو قتل کیا تمہیں تباہ و برباد کیا اور فتنہ و فساد کی جڑ کا خاتمہ کیا"۔

امام زین العابدینؑ نے بوڑھے کے کلماتِ بدسُن کر دریافت کیا:

یَـا شَیْـخُ اَقَـرَأتَ الْـقُـرآنَ؟

اے شیخ کیاتونے قرآن پڑھا ہے؟

شیخ نے بڑے تعجب سے کہا:

"قرآن ! قرآن! ہاں میں نے پڑھا ہے"۔

امامؑ نے فرمایا:

"کیا یہ آیت تیری نظر سے گذری ہے؟"۔

قُلْ لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی

یعنی کہہ دو اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم! میں بجز اپنے اہلِ بیتؑ کی محبت کے تم سے اور کوئی اجر نہیں چاہتا"۔

(سورۃ الشوریٰ ۴۲، آیت ۲۳)

بوڑھے نے جواب دیا:

"بے شک یہ تو حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور ان کی آلؑ کے بارے میں ہے"۔

اس پر امام زین العابدینؑ نے فرمایا:

وَاللّٰہِ نَحْنُ الْقُرْبٰی فِیْ ھٰذِہِ الْاٰیَاتِ

تو یقین کرکہ وہ ذی القربیٰ ہم ہی ہیں۔

ہماری شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

پھر فرمایا:

"اے شیخ تو نے یہ آیت بھی یقیناً پڑھی ہوگی:

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ

اے محمّد ذوی القربیٰ کو ان کا حق ادا کر دو"۔

(سورۃ الروم ۳۰، آیت ۳۸)

اس نے کہا ہاں:

"یہ آیت بھی پڑھی ہے"۔

پھر فرمایا:

"اور تو نے یہ آیت پڑھی ہے جس میں مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی

یعنی اے مسلمانو! اچھی طرح جان لو کہ تمہیں جو مالِ غنیمت ملے، اس کا پانچواں حصہ اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور ذوی القربیٰ کو دے دو"۔

(سورۃ الانفال ۸، آیت ۴۱)

عرض کی:

"میں نے یہ آیت بھی پڑھی ہے"۔

علی زین العابدینؑ ابن الحسینؑ نے فرمایا:

"وہ ذوالقربیٰ بھی ہم ہی ہیں جنہیں اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ خمس کے حق میں شریک قرار دیا ہے"۔

اس کے بعد فرمایا:

"کیا تو نے آیۂ تطہیر بھی پڑھی ہے؟"

شامی نے کہا:

"جی ہاں! میں نے آیۂ تطہیر بھی پڑھی ہے"۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا

اللہ کا ارادہ بس یہی ہے ہرطرح کی ناپاکی کو اے اہلِ بیتؑ! آپ سے دور رکھے

اور آپ کو ایسے پاکیزہ رکھے جیسے پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

(سورۃ الاحزاب ۳۳، آیت ۳۳)

فرمایا:

''وہ اہلِ بیتؑ جن کی طہارت پر خدائے تعالیٰ نے یہ سند نازل فرمائی ہے، ہم ہی ہیں''۔

شیخ بولا:

''تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا واقعی ایسا ہی ہے؟ کیا تم اہلِ بیتؑ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے خاندان سے ہو؟''

امامؑ نے فرمایا:

وَحَقِ وَجَدِّنَا رَسُولُ اللّٰہِ اِنَا لَنَحنُ هُم مِنْ غَیرِ شَكٍ۔

ہمارے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حق کی قسم، ہم بلاشک وہی ہیں۔

کلماتِ امامؑ کا سننا تھا کہ مردِ ضعیف اپنے جسارت آمیز سوال پر نادم ہوکر امامؑ سے معافی مانگنے لگا اور سر سے عمامہ پھینک کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور تین مرتبہ کہا:

''خدایا میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ خدایا میں تیرے سامنے دشمنان آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور قاتلانِ اہلِ بیتؑ سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ تُو میری توبہ قبول فرما۔''

خبر یزید کو پہنچنا تو تھی ہی، خبر پہنچی، یزید نے اس مردِ ضعیف کو قتل کرا دیا۔

بعض تاریخی حوالوں (تاریخِ قفطی) سے پتہ چلتا ہے کہ جب اسیرانِ اہلِ بیتؑ حرم کا قافلہ دمشق میں داخل ہوا اس وقت یزید اپنے محل کے بالائی حصّہ سے قافلہ کی آمد دیکھ رہا تھا، یزید اس وقت شراب کے نشہ میں دھت تھا اور اسی بدمستی کے عالم میں اشعار پڑھ رہا تھا جس کا ترجمہ ہے:

''جب ظاہر ہوئے یہ اونٹ اور آفتاب جیرون کے ٹیلوں پر تو فراق کا کوّا بولنے لگا (کائیں کائیں کرنے لگا)، میں نے کہا تو چیخے یا چپ رہے میں نے اپنے قرض خواہ (احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) سے قرض چکا لئے''۔

اہلِ بیت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لٹے ہوئے قافلے کو دمشق کے بازاروں میں پھرایا گیا اس کے بعد قصرِ خضراء کے دروازے پر ٹھہرایا گیا۔ یہ وہی شاندار قصر تھا جسے معاویہ بن ابی سفیان نے لاکھوں درہم سے بنوایا تھا اور جس کی تعمیر پر صحابیٔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم حضرت ابوذر غفاریؓ نے شدید اعتراض کیا اور کہا:

''یہ قصر اگر تم نے اپنے صرف سے تعمیر کرایا ہے تو اسراف ہے اور قرآن نے اسراف کو حرام قرار دیا ہے اور اگر بیت المال سے تعمیر کیا ہے تو خیانت ہے کیونکہ یہ مسلمانوں کا ہے''۔

انہیں اعتراضات کی بناء پر حاکم شام نے انہیں ربذہ کے بے آب و گیاہ میدان میں جلا وطن کر دیا تھا جہاں وہ انتہائی غربت اور بے کسی کے عالم میں رحلت فرما گئے۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل ''تاریخِ اسلام'' (حصہ دوم) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

یہی وہ تاریخی قصر/محل تھا جہاں یزید نے دربارِ عام کیا تھا اور دربار کو خصوصیت سے آراستہ کیا گیا تھا اور امراء شام کو مدعو کیا گیا تھا تاکہ سب لوگ حکومت وقت کی شان و شوکت دیکھ سکیں اور اس کے رعب و دبدبے سے مرعوب ہوسکیں۔ دربار میں کیا کچھ ہوا ملاحظہ فرمایئے۔

قافلہ حسینیؑ کی قصرِ یزید میں آمد

یزید کا سجا ہوا دربار ہے، امراء سلطنت اور سفراء حکومت مرصّع کرسیوں پر براجمان ہیں۔ عمائدینِ شہر اور فوجی افسران ادھر ادھر جلوہ گر ہیں۔ یزید فتح کی خوشی میں مخمور اور شراب کے نشہ میں چُور تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ اہلِ بیت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم قصر کے دروازے پر کھڑے، طوق و رسن میں گرفتار حکم شاہی کے منتظر ہیں۔

مروان بن الحکم☆ بھی یزید کے پاس تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ جب قافلہ دربارِ یزید میں داخل ہوا تو مروان نے شمر سے پوچھا:

''تم نے حسینؑ اور ان کے خاندان کے ساتھ کیا کیا؟''

اس نے کہا:

''حسینؑ اپنے خاندان کے اٹھارہ بنی ہاشم کے جوانوں اور

☆ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حکم اور اس کی اولاد کو مدینہ بدر کر دیا تھا۔ آنخضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حیات طیبہ اور خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ اور خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ کے دور میں یہ داخلِ مدینہ نہ ہو سکے، لیکن خلیفہ سوم نے اپنے دور میں مدینہ میں داخل ہونے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ امر خلافت بھی مروان کے سپرد کر دیا اور پھر وہی مروان بن حکم حضرت عثمانؓ کی شہادت کا سبب بنا۔
تفصیل ''تاریخِ اسلام'' (حصہ دوم) 'خلفائے راشدین' میں دیکھی جا سکتی ہے

پچاس سے کچھ زیادہ اپنے اصحاب سمیت ہم سے جنگ کرنے آئے تھے ، ہم نے ان سب مردوں کو قتل کر دیا ہے اور ان مردوں کے سر اور تمام قیدی ان اونٹوں پر موجود ہیں''۔

یہ سن کر مروان نے اپنے کاندھوں کو جھٹکا اور امام حسینؑ کے سر کی طرف نظر کر کے بولا:

''تمہارے چہرے کی ٹھنڈک اور تمہارے رخساروں کی سرخی کیسی بھلی معلوم ہو رہی ہے۔ میرا دل حسینؑ کے خون سے ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ خاندانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا خون بہا کر میں نے اپنا قرض چکا لیا ہے''۔(۱)

سب سے پہلے شمر نے سرِ حسینؑ کو نوکِ نیزہ سے اتار کر تختِ طلاء میں رکھا اور یزید کے سامنے پیش کیا۔ روایات شاہد ہیں کہ جب سرِ حسینؑ یزید کے سامنے رکھا گیا تو کچھ دیر وہ سر کی جانب دیکھتا رہا ، اس کے ہاتھ میں خیزران کی چھڑی تھی جسے وہ سرِ مبارک پر مارتا جاتا تھا اور بڑے فخر و ناز سے یہ اشعار پڑھتا جاتا تھا۔(۲)

لَیۡتَ اَشۡیَاخِیۡ بِبَدۡرٍ شَہِدُوۡا   جَزَعَ الخَزۡرَجِ مِنۡ وَقۡعِ الاَسَلۡ

(۱) مقتل ابی مخنف ، ص ۱۳۶۔

(۲) یہ اشعار محولہ بالا کتب میں موجود ہیں: الوقائع والحوادث ، ج ۵ ، ص ۴۷ ، البدائیہ والنہایہ ص ۹۲ ، ۱۹۷ ، تذکرۃ الخواص ۲۷۱ ، ۳۰۰ ، مقاتل الطالبین ص ۱۲۰ ، الاتحاف ص ۱۸، السیدۃ الزینبؑ ۱۷ ، ۱۸۔ حفیدۃ الرسولؐ ، ص ۵۸۔

لَاَھَلُّوۡا وَاسۡتَھَلُّوۡا فَرَحاً   ثُمَّ قَالُوۡا یَا یَزِیۡدُ لَا تَشَلۡ

لَسۡتُ مِنۡ عَتۡبَةٍ اِنۡ لَمۡ اَنۡتَقِمۡ   مِنۡ بَنِیۡ اَحۡمَد مَا کَانَ فَعَلَ

لَعِبَتۡ ھَاشِمُ بِالۡمُلۡكِ فَلَا   خَبَرٌ جَاءَ وَلَا وَحۡیٌ نَزَلَ

کاش بدر میں مارے جانے والے میرے بزرگ قبیلۂ ''خزرج'' کی نیزہ لگنے سے آہ وزاری دیکھتے تو خوشی سے اچھل پڑتے اور کہتے اے یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں۔ کاش میرے بزرگ جو جنگِ بدر میں مارے گئے زندہ ہوتے تو مجھے داد دیتے ، میں نے بنی ہاشم کے سرداروں کو قتل کیا۔

''میں عتبہ میں سے نہیں ، اگر میں احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کی اولاد سے اس کے فعل کا انتقام نہ لوں ، بنی ہاشم نے تو اقتدار کا کھیل کھیلا تھا ورنہ ، نہ تو کوئی خبر آئی نہ وحی نازل ہوئی''۔

اس کے بعد یزید اپنے لشکریوں سے مخاطب ہوا ''تم نے حسینؑ کے ساتھ کیا کیا؟ زجر بن قیس حاضر ہوا اور یزید کو فتح و کامرانی کا مژدہ ان لفظوں میں سناتا ہے:

''امیرالمومنین (یزید) مبارک ہو خدا نے آپ کو کامیاب و کامران کیا ، حسین ابن علیؑ اپنے اٹھارہ عزّاء اور ساٹھ اصحاب کے ساتھ ہمارے مقابلے میں آئے ، پہلے ہم نے ان پر زور دیا کہ وہ تیری بیعت کر لیں لیکن جب انہوں نے تیری بیعت سے انکار کیا تو ہم نے ان سے جنگ کی اور ان سب کو قتل کر دیا۔ یہ ان کے سر ہیں جب کہ ان کے جسم خاکِ کربلا میں پڑے ہیں۔ ان پر سورج چمک رہا ہے ، ہوائیں ان پر

ریت اڑا رہی ہیں ، عقاب ان پر منڈلا رہے ہیں اور اہلِ بیتؑ کو قید کر لیا''۔

یزید کا سرِ حسینؑ سے بے ادبی کرنا

یزید نے سرِ حسینؑ کو اٹھایا اور شراب کا جام منہ سے لگا کر کہتا ہے:

''ہم نے ان لوگوں کے سر جدا کر دیئے ہیں جو ہمارے لئے بہت اہم تھے۔ حالانکہ وہ بہت پاک و پاکیزہ اور حلیم و بردبار تھے اور خدا کے نزدیک ہمارے مقابلے میں اپنے مقام و منزلت کے لحاظ سے بہت محترم تھے اور ہر حیثیت سے ہم سے زیادہ صاحبِ عزّت و افتخار تھے۔''

پھر یزید نے اپنی چھڑی سے دندان مبارک کے ساتھ بے ادبی کرنا شروع کی اور ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ ہے:

''کیا بے پناہ حُسن ہے جو دانتوں سے ٹپک رہا ہے اور طشت جگمگا رہا ہے۔ دونوں رخسار دو گلاب کے پھول معلوم ہوتے ہیں ، اے حسینؑ! تم نے ضرب کو کیسا پایا؟''

طبقاتِ ابن سعد اور مروج الذہب کا بیان ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ کے صحابی ابوبرزہ اسلمیؓ دربار میں موجود تھے انہوں نے یزید کو ٹوکا ، خواص الائمہ میں ابن ابی الدّنیا نے حسن بصری کے حوالے سے نقل کیا

ہے کہ یزید نے لب دندان مبارک پر چھڑی ماری تو ابوبرزہ اسلمی یہ دیکھ کر چیخ اٹھے اور پکار کر کہا:

''یزید چھڑی ہٹالے۔ خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو ان ہونٹوں کے بوسے لیتے دیکھا ہے۔ اے یزید! تو اُس عالم میں خدا کا سامنا کرے گا کہ تیرا سفارشی ابنِ زیاد ہوگا اور حسینؑ کے شفیع محمد رسولؐ اللہ''۔

ان کلمات کا سننا تھا کہ یزید نے جھنجھلا کر صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو دربار سے نکل جانے کا حکم دیا ، ابوبرزہ اسلمی یہ کہتے ہوئے دربار سے باہر نکلے، ''خدا تیرے ہاتھوں کو قطع کرے''۔ دربار میں سنّاٹا چھا گیا ، امراء و سفراء متحیر ہو گئے۔ بعض تواریخ میں یہ روایت سمرہ ابن جندبؓ (صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کی طرف منسوب کی گئی ہے۔

ان کے احتجاج پر یزید نے کہا:

''اے سمرہؓ! اگر مجھے تمہارے صحابی ہونے کا پاس نہ ہوتا تو تمہیں ضرور قتل کرا دیتا''۔

سمرہؓ نے کہا:

''سبحان اللہ صحابی کا یہ پاس اور نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے یہ سلوک۔''

ابنِ خلکان کا بیان ہے کہ دربارِ یزید میں صحابیٔ رسولؐ حضرت

خالد بن غفرانؓ نے سرِ حسینؑ کو دیکھ کر چند اشعار کہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

''اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بیٹی کے بیٹے ، تمھارا سر خون میں غلطاں ہے ، ان لوگوں نے گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے قتل کا ارادہ کر لیا تھا۔ انہوں نے تم کو پیاس کے عالم میں قتل کر ڈالا اور تمہارے قتل میں تاویل و تنزیل کا بھی انتظار نہ کیا۔ تم کو نہیں تمھارے ساتھ تکبیر وتہلیل کو بھی ذبح کرڈالا''۔

دربارِ یزید میں رومی سفیر کے تاثرات

سلطنت روم کا ایک مستقل سفیر دمشق میں رہتا تھا وہ بھی دربارِ یزید میں موجود تھا ، اس کی بابت ہشام بن محمّد نے اپنے باپ سے اس نے عبید بن عمر سے بیان کیا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ قیصر روم کا سفیر دربار میں موجود تھا ، اس نے سرِ حسینؑ اور اہلِ بیتؑ کو دیکھ کر یزید سے دریافت کیا:

سفیر: یہ کس کا سر ہے؟

یزید: حسینؑ کا

سفیر: کون حسینؑ؟

یزید: علیؑ کا بیٹا

سفیر: اس کی ماں کون ہے؟

یزید: فاطمہؑ

سفیر: کون فاطمہؑ

یزید: محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بیٹی

سفیر: محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم! تمھارا نبی؟

یزید: ہاں

سفیر: اس کا باپ علیؑ کون تھا؟

یزید: ابی طالب کا بیٹا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کا چچازاد بھائی

سفیر: تم کیسے مسلمان ہو۔ ہلاکت ہے تمہارے لئے اور تمہارے دین کے لئے ، مسیح کے حق کی قسم تم لوگ نالائق ہو۔ ہمارے جزیرۂ جافر کے گرجا میں اس گدھے کا کھر رکھا ہے جس پر ہمارے سردار حضرت مسیح سوار ہوئے تھے ، ہم لوگ ہر سال اطراف دنیا سے اس کی زیارت کے لئے جاتے ہیں اس پر نذریں مانتے ہیں اور اس کی تعظیم اسی طرح کرتے ہیں جس طرح تم لوگ خانۂ کعبہ کی کرتے ہو۔ پس میں گواہی دیتا ہوں کہ تم لوگ باطل پر ہو۔ پھر وہ کھڑا ہوگیا دربار سے باہر چلا گیا اور پھر واپس نہیں آیا۔

انتہائی حیرت کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور اہلِ بیت رسول صلواۃ اللہ علیہ اجمعین پر درود بھیجنے☆ کا حکم دیتا ہے

☆ اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا
اللہ اور اس کے فرشتے یقیناً نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو جیسے سلام بھیجنے کا حق ہے۔ (سورۃ الاحزاب ۳۳ ، آیت ۵۶)

لیکن نشہ میں چور اقتدارِ دنیا میں مخمور اسلامی اقدار سے بے خبر یزید کے دربار میں اسلامی روایات کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہیں اور درباری خوش ہورہے ہیں۔ دربارِ یزید میں یہ سب ہوتا رہا اور حضرت زینب سلام اللہ علیہا حیرت سے دیکھتی رہیں ، صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تو جناب زینب گویا ہوئیں اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے تاریخ کی تلخ حقیقتوں کو آشکار کرتے ہوئے یزید کی بربریت کو بے نقاب کر دیا۔ جس سے اس شراب خوار اور ظالم کا سر جھک گیا اور دربار میں بیٹھنے والوں کے دلوں میں یزید کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک اٹھی۔

دربارِ یزید میں جناب زینب سلام اللہ علیہا کا خطبہ

جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا جلال میں آکر کھڑی ہوئیں اور یزید کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا:

"قَامَتْ زَیْنَبُ عَلَیْهَا السَّلَامُ وَقَالَتْ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ صَلَّی اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَآلِهٖ اَجْمَعِیْنَ .... الخ۔

تعریف اللہ کے لئے ہے جو ساری کائنات کا پروردگار ہے اور درود و سلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و اہلِ بیتؑ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر!

کتنی سچائی ہے خداوندِ عالم کے اس ارشاد میں کہ

'آخر جن لوگوں نے برائیاں کی تھیں ان کا

انجام بھی بہت برا ہوا، اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ان کی ہنسی اڑاتے تھے۔

کیوں ، یزید! زمین و آسمان کے تمام راستے ہم پر بند کر کے اور خاندانِ نبوّتؐ کو عام قیدیوں کی طرح ، دربدر پھرا کر تو نے یہ سمجھ لیا کہ خدا کی بارگاہ میں ہمارا جو مقام تھا اس میں کوئی کمی آگئی اور تو خود بڑا عزّت دار بن گیا؟ پھر تو اس خام خیالی کا شکار ہے کہ وہ المیہ جس سے ہمیں تیرے ہاتھوں دو چار ہونا پڑا اس سے تیری وجاہت میں کچھ اضافہ ہوگیا اور شاید اسی غلط فہمی کے باعث تیری ناک اور چڑھ گئی اور غرور کے مارے تو اپنے کندھے اچکانے لگا؟

ہاں! یہ سوچ کر تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہا ہے کہ تیری مستبدانہ حکومت کی حدیں بہت پھیل چکی ہیں اور تیری سلطنت کی نوکر شاہی بڑی مضبوط ہے اور ہوسکتا ہے تو یہ بھی سمجھ بیٹھا ہو کہ خلاّقِ عالم نے اس مملکت میں تجھے بغیر کسی خطرے کے پھیل پھیل کر اطمینان سے اپنا حکم چلانے اور من مانی کرنے کا یہ موقع دیا ہے۔

ٹھہر ، یزید ٹھہر! ایک دو سانسیں اور لے لے۔ پھر دیکھنا،

کیا ہوتا ہے؟ دراصل تو ربّ ذوالجلال کے اس فیصلے کو بھلا بیٹھا ہے کہ

'کفر کی راہ اختیار کرنے والے یہ گمان نہ کریں کہ ہم جو انہیں مہلت دیئے جاتے ہیں ، وہ ان کے حق میں کوئی بہتری ہے ، ہم تو انہیں اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں کہ یہ خوب جی بھر کر گناہ سمیٹ لیں ، اس کے بعد ان کے واسطے سخت ذلّت آمیز سزا اور رسوا کرنے والا عذاب ہے۔'☆

اے ہمارے آزاد کئے ہوؤں کے جائے! کیا یہی عدل ہے؟ اسی کو انصاف کہتے ہیں؟ کہ تیری عورتیں اور کنیزیں تک پردے میں ہوں اور نبیؐ زادیوں کی چادریں چھین کر انہیں بے پردہ ، سر برہنہ ایک شہر سے دوسرے شہر کشاں کشاں لے جایا جائے! ہاں ، یزید ! تو نے ہی ہمیں ان حالت میں پہنچایا ہے۔ ہم بے وارثوں کا قافلہ جس جگہ پہنچتا ہے وہاں تماشائیوں

☆ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ

اور یہ کافر ایسا نہ سمجھیں کہ ہم جو ان کی رسّی دراز رکھتے ہیں یہ ان کے لئے کوئی اچھی بات ہے ، ہم تو صرف اس لئے ان کی رسّی دراز رکھتے ہیں کہ وہ اور زیادہ گناہ کر لیں اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ (سورۃ آل عمران ۳ ، آیت ۱۷۸)

کا ٹھٹھ لگ جاتا ہے۔ ہر قسم کے لوگ ، ہر طرح کے آدمی۔ راہ راہ ، منزل منزل ، جوق در جوق ، دور اور نزدیک سے ہمیں دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں! اس کارواں کا نہ کوئی ساتھی ہے! نہ حمایتی ، نہ دوست ہے نہ نگہبان۔ ہاں! جس کا تعلّق ہمارے بزرگوں کا کلیجہ چبانے (ہندہ زوجہ ابوسفیان نے حضرت حمزہؓ کا غزوۂ احد میں کلیجہ چبایا تھا) والوں سے ہو اس سے کسی رُو رعایت کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ اور جس کا گوشت پوست ہمارے شہیدوں کے لہو سے اُگا ہو ، بھلا اس کے دل میں ہمارے لئے کوئی نرم گوشہ کہاں پیدا ہوسکتا ہے؟

ہاں! ہاں! جو اہلِ بیتؑ عصمت و طہارت کی دشمنی میں انگاروں پر لوٹ رہا ہو اس سے کب یہ امید باندھی جاسکتی ہے کہ وہ حقیقتوں کے بارے میں کبھی ٹھنڈے دل سے غور بھی کرے گا؟

اے یزید! تو احساسِ جرم کے بغیر جس ڈھٹائی سے کہتا جارہا ہے کہ 'اگر اس وقت میرے اسلاف مجھے دیکھتے تو کتنے شاد ہوتے! وہ مجھے شاباشی دیتے اور کہتے ، یزید تیرے دست و بازو کو نظر نہ لگے!' تو نے محمدؐ کے گھرانے سے کیا خوب انتقام لیا ہے!

یزید! تو جو کچھ کر رہا ہے اور جو کچھ کہتا چلا جا رہا ہے، وہ تیری کیفیت کا اظہار ہے! ذرا دیکھ تو سہی ، بے ادب! اپنی چھڑی سے جس ہستی کے مقدّس ہونٹوں کے ساتھ تو گستاخی کر رہا ہے ، وہ جوانانِ جنّت کا سردار ہے! رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا تھا: الحسنؑ و الحسینؑ سیّدَ الشّبَابِ اَھْلِ الجَنّہ۔

تو نے محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پیاروں کا خون بہا کر اور عبدالمطلّب کے چاند تاروں کو خاک میں ملا کر اپنے سوکھے ہوئے زخموں کو پھر سے ہرا اور بھرے ہوئے گھاؤ کو پھر گہرا کر دیا ہے! اور اپنے پرکھوں کو بھی پکار رہا ہے ، اپنے گڑے ہوئے مُردوں کو آواز دے رہا ہے اور اس سے بے خبر کہ عنقریب تو خود بھی اسی گھاٹ☆ اترنے والا ہے ، جہاں وہ ہیں ، اور جب تو اپنے سگوں کے پاس پہنچ جائے گا تو پھر رہ رہ کر تیرا دل یہ چاہے گا کہ کاش! نہ زبان میں سکت ہوتی اور نہ ہاتھوں کو جنبش! تا کہ جو کہا ہے وہ نہ کہتا اور جو کیا ہے وہ

☆ یزید کی موت ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ میں کن حالات میں ہوئی ، علامہ راشد الخیری کی کتاب سیدہ کا لال میں ملاحظہ فرمایئے۔

نہ کرتا!☆

پرور دگارا! تو ان ظالموں سے ہمارا حق دلا دے اور ان ستمگروں سے ہمارے بدلے چکا دے۔ بارِ الٰہی! جن جفا شعاروں نے ہمارا لہو بہایا ہے اور ہمارے طرف داروں کو قتل کیاہے ، ان پر اپنا غضب نازل فرما۔قسم بخدا! اے یزید! تو نے خود ہی اپنی کھال نوچی ہے اور اپنے ہاتھوں اپنے گوشت کی تکہ بوٹی کی ہے! بہت جلدی وہ وقت آنے والا ہے کہ تجھے انتہائی ذلّت و خواری کے عالم میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تو نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذرّیت کو خاک و خون میں غلطاں کیا ہے اور ان کی عترت ، ان کے پیاروں کو نشانۂ ستم بنا کر ان کی حرمت زائل کی ہے!

☆ ثُمَّ کَانَ عَاقِبَةَ الَّذِیْنَ اَسَآءُ وا السُّوٓآی اَنْ کَذَّبُوْا بِاٰ یٰتِ اللّٰہِ وَ کَانُوْا بِھَا یَسْتَھْزِءُ وْنَ
پھر جنہوں نے برائی کی تھی ان کا انجام بھی برا ہوا ، اس لئے کہ انھوں نے آیاتِ الٰہی کو جھٹلایا اور وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ (سورۃ الروم ۳۰،آیت ۱۰)

اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِالْکِتٰبِ وَ بِمَآ اَرْسَلْنَا بِہٖ رُسُلَنَا فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ۔اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْ اَعْنَاقِھِمْ وَالسَّلٰسِلُ یُسْحَبُوْنَ
جنہوں نے اس کتاب کی اور جو کچھ ہم نے پیغمبروں کو دے کر بھیجا ہے اس کی تکذیب کی ہے انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا جب طوق اور زنجیریں ان کی گردنوں میں ہوں گی ، گھسیٹے جا رہے ہوں گے۔ (سورۃ المومن ۴۰ ، آیت ۷۰/۷۱۔)

یزید! جب تو اپنے ان سنگین جرائم کا بوجھ اٹھائے قیامت کے دن خدا کی عدالت میں پیش ہو گا تو پھر دیکھنا کہ داورِ محشر کس عنوان سے ریاضِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بکھرے ہوئے پھولوں کو اکٹھا کر کے ہر برگ گل کو آماجگاہِ صدا بہار قرار دیتا ہے اور وہ منصفِ حقیقی کس طرح جو رو جفا کرنے والے باغیوں سے ہم کو ہمارا حق دلاتا ہے! اس پیدا کرنے والے کا ارشاد ہے:

'جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو درحقیقت زندہ ہیں! اپنے رب کے پاس سے رزق پا رہے ہیں'۔☆

سن! یزید سن! تیرے لئے تو بس اتنا جاننا ہی کافی ہے کہ بہت جلد خدائے ذوالجلال فیصلہ دے گا۔ محمّد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مدّعی ہوں گے۔ اور جبرائیل امین مددکریں گے! ہاں! اور وہ لوگ بھی اسی ہنگام اپنا انجام دیکھ لیں گے

☆ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۔
اورانہیں جو اللہ کی راہِ میں مارے گئے ہیں، ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں،اپنے رب کے یہاں سے رزق پاتے ہیں۔
(سورہ آل عمران ۳، آیت ۱۶۹)

جنہوں نے زمین ہموار کر کے تجھے اس جگہ تک پہنچایا اور پھر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا کلمہ پڑھنے والوں کی گردنوں پر مسلّط کر دیا! جب حساب و کتاب کا وقت آئے گا تب ہی پتہ چلے گا کہ جو زیادتیاں کرتے ہیں ان کو کتنی بری سزا ملتی ہے! اور اسی لمحے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ کسے بدترین جگہ دی گئی اور کس کے ساتھی کس درجہ بودے نکلے!

اے یزید! یہ تو زمانہ کا انقلاب ہے کہ مجھے تجھ جیسے آدمی سے بات کرنے پر مجبور ہونا پڑا! تجھے تو میں بہت چھوٹا اور بے وقعت سمجھتی ہوں ، البتّہ تیری سرزنش کو بڑا کام اور تیری ملامت کو ایک اچھّی بات قرار دیتی ہوں!

ہاں! تجھ سے مخاطب ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ آنکھوں میں آنسو امنڈ رہے ہیں اور کلیجے سے آنچیں نکل رہی ہیں!

کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ وہ خاصانِ خدا جنہیں اس نے عزّ و شرف دے کر سرفراز فرمایا ، وہی ، فتح مکّہ کے دن ہمارے آزاد☆ کئے ہوئے ، شیطان صفت گروہ کے ہاتھوں تہِ تیغ ہوں۔

☆ افرادِ بنو امیہ اور دوسرے دشمنانِ اسلام کو کس فراغ دلی سے محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فتح مکّہ کے دن معاف فرمایا ، تفصیل میری تصنیف ''تاریخِ اسلام کا سفر'' (حصّہ اوّل) میں ملاحظہ فرمایئے۔

آہ! آہ! دشمن کی آستین سے ابھی تک ہمارے شہیدوں کا لہو ٹپک رہا ہے اور آج بھی ان کے لب و دنداں پر ہمارا گوشت چبانے کے نشان موجود ہیں! اُف! ان کشتگانِ راہِ تسلیم کے پاک و پاکیزہ اجسام دامنِ صحرا میں بے گور و کفن پڑے ہیں۔

اے یزید! اگر آج ہمیں جنگی قیدی بنا کر تو سمجھ رہا ہے کہ کچھ حاصل کر لیا، تو یاد رکھ کل تجھے اس کے مقابلے میں سخت نقصان اٹھانا پڑے گا اور یہ بات نہ بھولنا کہ تو اپنے اعمال کی صورت میں جو بھیجے گا بس وہی پائے گا۔

نیز ربّ العالمین اپنے بندوں پر کبھی ظلم نہیں کرتا۔ ہم اللہ کے سوا نہ کسی سے اپنا حال کہتے ہیں اور نہ کسی کے پاس فریاد لے جاتے ہیں۔ صرف اسی کی ذات پر ہمارا بھروسہ ہے اور وہی ہم سب کا مرکزِ اعتماد ہے۔

اے یزید! تیرے پاس مکر و فریب کا جتنا ذخیرہ ہے اسے جی کھول کر کام میں لے آ۔ ہر طرح کی سعی و کوشش میں بھی کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھنا۔ اپنی سیاسی جدّ و جہد کو مزید تیز کر دے اور ہاں ساری حسرتیں نکال لے، تمام آرزوئیں پوری کر لے۔ مگر اس کے باوجود تو، نہ تو ہماری شہرت کو کم کر سکتا ہے

اور نہ ہی اس موقف میں ہے کہ ہمیں جو مقبولیت حاصل ہے اسے متاثر کر سکے! پھر یہ بھی تیرے بس میں نہیں کہ ہماری فکر کو پھیلنے اور ہمارے پروگرام کو نشر ہونے سے روک دے! نیز تو ہمارے مقصد کی گہرائی تک پہنچنے اور غرض و غایت کی گہرائی کو سمجھنے سے بھی قاصر ہے۔

یزید! تیری فکر غلط ہے، تیری رائے خام ہے! تیری زندگی کے محض چند دن(۱) باقی رہ گئے ہیں۔ تیری بساط الٹنے والی ہے اور بہت جلد تیرے ساتھیوں کا شیرازہ بھی بکھرنے والا ہے!

اس کے علاوہ وہ دن قریب ہے جب منادی آواز دے گا ہاتفِ غیبی کہے گا کہ 'ظالموں پر خدا کی لعنت(۲) اور حمد و سپاس اللہ کے لئے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ وہ ربّ الارباب، جس نے ہمارے پیشرو بزرگوں کو انجام کارِ خیر و سعادت کے خزانۂ عامرہ سے افتخار بخشا اور ہماری آخری شخصیتوں کو شہادت و رحمت کی نعمت عظمیٰ سے سرفراز فرمایا۔

---

(۱) جناب زینب سلام اللہ علیہا نے جو پیش گوئی فرمائی تھی ویسا ہی ہوا۔ یزید کی موت ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو ہوئی، اس کے بیٹے معاویہ نے تختِ حکومت پر بیٹھنے سے انکار کیا، نتیجتاً حکومت بنی اُمیّہ سے نکل کر آلِ مروان میں چلی گئی۔

(۲) اَلَا لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ۔
ظالموں پر خدا کی لعنت (سورۂ ہود ۱۱، آیت ۱۸)

ارحم الرّاحمین ہمارے شہداء کے ثواب کو کمال آگیں ، ان کے اجر کو فراواں اور ان کے وارثوں اور جانشینوں کو اپنے حسنِ کرم سے بہرہ مند فرما۔ یقیناً وہ بڑا مشفق اور حد درجہ مہربان ہے۔ ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔(۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی نواسی جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا کا خطبہ جاری رہا۔ دربار میں سنّاٹا چھایا رہا ، ایسا سنّاٹا کہ سوئی گرنے کی آواز سنائی دے۔ حاضرین انتہائی انہماک اور حیرانی سے سنتے اور حقیقتِ حال سے واقف ہوتے رہے۔ حقیقتِ حال پر اب تک جو پردہ پڑا ہوا تھا، جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا کے بیان سے چاک ہونا شروع ہوا اور خطبہ ختم ہوتے ہوتے حقیقتِ حال کھل کر سامنے آگئی۔

اپنے خطبے سے خواہرِ حسینؑ نے مقصدِ حسینؑ کی وضاحت کی تو مجمع حیران و ششدر ہو کر رہ گیا۔

یہ ظلم ، یہ ستم ، یہ قتل و غارت گری اور اہلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم! کون سوچ سکتا تھا کہ ایسا آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ ہوسکتا ہے؟(۲) لیکن وہ سب کچھ ہوا جو ایک عام انسان سوچ بھی نہیں

(۱) حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ۔
ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے
(سورۃ آلِ عمران ۳، آیت ۱۷۳)

(۲) جن کی خاطر سے بنائی گئی ساری دنیا
اہل دنیا سے وہی گھر نہیں دیکھا جاتا

سکتا! اور کن خدا ترس انسانوں کے ساتھ ہوا۔ یہ وہ محترم و مکرّم ہستیاں ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں سب کچھ قربان کر دیا۔ یہ وہ بزرگ ہستیاں ہیں جن کے خیمے لٹے پھر جلائے گئے ، ظالموں نے قیدی بنایا لیکن اللہ کی راہ پر ڈٹے رہے۔ تمام تر قید و بند کی تکالیف کے ساتھ دربار میں لائے گئے ، خاموش رہے اور جب زبان کھولی تو حقیقتِ حال عیاں ہوگئی۔

بنا لیتا ہے موجِ خونِ دل سے اک چمن اپنا
وہ پابندِ قفس جو فطرتاً آزاد ہوتا ہے

حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا کا بیان سننا تھا کہ یزید غصہ سے پیچ و تاب کھانے لگا ، نشۂ اقتدار اترنے لگا۔ حیرانی اور پریشانی کے عالم میں اہلِ دربار سے پوچھتا ہے ان کے ساتھ کیا کیا جائے؟ نعمان بن بشیر (کوفہ کے سابق گورنر) کھڑے ہوئے اور کہا:

”اے یزید! ان کے ساتھ وہی سلوک کر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم (ان کو اس حال میں دیکھ کر) کرتے“۔

لیکن اس بدبخت نے نعمان بن بشیر کی رائے کے برعکس عمل کیا اور دربار برخاست کر دیا اور طیش میں آکر یزید نے اسیرانِ کربلا کو قید خانہ میں بھجوا دیا۔

قید خانہ کہاں واقع تھا اس بارے میں مورّخین میں اختلاف ہے بعض مورّخین کا بیان ہے کہ قید خانہ جامع مسجد کے عقب میں ایک قدیم بوسیدہ

مکان تھا اور بعض موٴرخین کے مطابق اسی مسجد کا ایک بوسیدہ حجرہ تھا۔

اسیرانِ کربلا کی دمشق میں مدتِ مصائب

اسیرانِ کربلا نے دمشق میں کتنے دن قید و بند کی صعوبتوں میں گزارے اس امر میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض موٴرخین کے مطابق اسیری کی مدّت نو ماہ ہے کچھ کا بیان ہے کہ دو ماہ ہے۔

بہرحال جب تک اہلِ بیت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم دمشق کے قید و بند میں مبتلا رہے ، یزید ہر روز امام زین العابدینؑ کو دربار میں طلب کرتا اور بھرے دربار میں آپؑ کی تذلیل کرتا۔ ایک روز خطیبِ مسجد کو تاکید کی کہ وہ منبر پر جاکر اولادِ ابی سفیان کی مدح اور اولادِ علیؑ کی ہجو کرے۔ خطیب خریدا ہوا فرد تھا☆، مرتا کیا نہ کرتا۔ اس نے وہی کچھ کیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ حکمِ حاکم مرگِ مفاجات ، امام زین العابدینؑ سنتے رہے اور خاموش رہے۔ خطیب جب سبّ وشتم کر چکا تو امامؑ نے خطیب کو مخاطب کیا اور فرمایا:

"اے خطیب! وائے ہو تجھ پر ، تو نے ایک مخلوق کی خوشی کو خالق کی نافرمانی کے عوض خریدا ، اب آتشِ جہنم میں جلنے کو

☆ زر برسر فولاد نہی نرم شود
دولت وہ شے ہے جس سے بڑے سے بڑے افراد خریدے جاسکتے ہیں ، الّاماشاء اللہ

تیار ہو جا"۔

ایک روز بھری مسجد میں حق و باطل کا مقابلہ ہوا۔ امام علی زین العابدینؑ نے یزید کو مخاطب کیا اور فرمایا:

"اے یزید! مجھے اس قدر موقع دے کہ میں منبر پر جا کر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مدح میں کچھ بیان کرسکوں"۔

یزید نے پہلے تو انکار کیا لیکن حاضرین کے اصرار پر راضی ہوگیا۔

دربارِ یزید میں خطبہٴ امام سجّاد علیہ السلام

امام علی زین العابدینؑ منبر پر تشریف لے گئے ، پہلے حمد باریٔ تعالیٰ پھر نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بیان فرمائی اور اس کے بعد نہایت شیریں اور فصیح و بلیغ اور پُر اثر انداز میں گویا ہوئے:

"اے اہلِ شام! تم میں سے جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے لیکن جو نہیں جانتا اسے میں اپنا تعارف کرائے دیتا ہوں۔

میں شہیدِ کربلا حسینؑ کا فرزند ہوں ، میں علی مرتضیٰؑ کا پسر ہوں ، میں محمّد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا بیٹا ہوں ، میں فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا فرزند ہوں ، میں خدیجۃ الکبریٰ کا

مکان تھا اور بعض مورّخین کے مطابق اسی مسجد کا ایک بوسیدہ حجرہ تھا۔

اسیرانِ کربلا کی دمشق میں مدتِ مصائب

اسیرانِ کربلا نے دمشق میں کتنے دن قید و بند کی صعوبتوں میں گزارے اس امر میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض مورّخین کے مطابق اسیری کی مدّت نو ماہ ہے کچھ کا بیان ہے کہ دو ماہ ہے۔

بہرحال جب تک اہلِ بیت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم دمشق کے قید و بند میں مبتلا رہے، یزید ہر روز امام زین العابدینؑ کو دربار میں طلب کرتا اور بھرے دربار میں آپؑ کی تذلیل کرتا۔ ایک روز خطیبِ مسجد کو تاکید کی کہ وہ منبر پر جاکر اولادِ ابی سفیان کی مدح اور اولادِ علیؑ کی ہجو کرے۔ خطیب خریدا ہوا فرد تھا☆، مرتا کیا نہ کرتا۔ اس نے وہی کچھ کیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ حکمِ حاکم مرگِ مفاجات، امام زین العابدینؑ سنتے رہے اور خاموش رہے۔ خطیب جب سبّ وشتم کر چکا تو امامؑ نے خطیب کو مخاطب کیا اور فرمایا:

''اے خطیب! وائے ہو تجھ پر، تو نے ایک مخلوق کی خوشی کو خالق کی نافرمانی کے عوض خریدا، اب آتشِ جہنم میں جلنے کو

☆ زر برسرِ فولاد نہی نرم شود
دولت وہ شے ہے جس سے بڑے سے بڑے افراد
خریدے جاسکتے ہیں، الاّماشاء اللہ

تیار ہو جا''۔

ایک روز بھری مسجد میں حق و باطل کا مقابلہ ہوا۔ امام علی زین العابدینؑ نے یزید کو مخاطب کیا اور فرمایا:

''اے یزید! مجھے اس قدر موقع دے کہ میں منبر پر جا کر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مدح میں کچھ بیان کرسکوں''۔

یزید نے پہلے تو انکار کیا لیکن حاضرین کے اصرار پر راضی ہوگیا۔

دربارِ یزید میں خطبۂ امام سجّاد علیہ السلام

امام علی زین العابدینؑ منبر پر تشریف لے گئے، پہلے حمدِ باریٔ تعالیٰ پھر نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بیان فرمائی اور اس کے بعد نہایت شیریں اور فصیح و بلیغ اور پُر اثر انداز میں گویا ہوئے:

''اے اہلِ شام! تم میں سے جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے لیکن جو نہیں جانتا اسے میں اپنا تعارف کرائے دیتا ہوں۔

میں شہیدِ کربلا حسینؑ کا فرزند ہوں، میں علی مرتضیٰؑ کا پسر ہوں، میں محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا بیٹا ہوں، میں فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا فرزند ہوں، میں خدیجۃ الکبریٰ کا

پسر ہوں ، میں سدرۃ المنتہیٰ کا بیٹا ہوں ، میں شجرِ طوبیٰ کا بیٹا ہوں ، میں فرزندِ سرورِ اخیار ہوں ، میں اس کا فرزند ہوں جس کے ماتم میں جنّات روئے ، میں اس کا فرزند ہوں جس پر پرندوں نے نوحہ کیا ، میں فرزندِ سردارِ یثربِ بطحا ہوں ، میں فرزندِ شہسوار میدانِ ہل اتیٰ ہوں ، میں سبطِ رسول حسن مجتبیٰؑ کا بھتیجا ہوں ، میں اس کا فرزند ہوں جس پر لوگوں نے پانی بند کیا ، میں اس کا فرزند ہوں جس کے اہلِ حرم قیدی بنائے گئے ، میں اس کا فرزند ہوں جس کے بچّے بے جرم و خطا ذبح کئے گئے۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کے خیموں کو نذرِ آتش کیا گیا ، میں اس کا فرزند ہوں جس کا لاشہ تپتے صحرا میں رہ گیا ، میں اس کا فرزند ہوں جس کا سر نوکِ نیزہ پر بلند کیا گیا، میں اس کا فرزند ہوں جس کو غسل و کفن نصیب نہیں ہوا، میں اس کا فرزند ہوں جس کی مخدّرات کو سر زمینِ کربلا میں رسوا اور ذلیل کیا گیا ، میں اس کا فرزند ہوں جس کا بدن مبارک کہیں پڑا ہے اور سرِ مبارک کہیں اور ہے ، میں اس کا بیٹا ہوں جس کے چاروں طرف دشمن ہی دشمن تھے ، میں اس کا بیٹا ہوں جس کے حرم کو اسیر بنا کر شام تک پھرایا گیا ، میں اس کا بیٹا ہوں جس کا کوئی یار و مددگار نہ رہا تھا“۔

اس کے بعد حضرتؑ نے فرمایا:

”اے لوگو! خدا نے ہمیں پانچ خصلتوں سے نوازا ہے:

(۱) خدا کی قسم! رسالت کی قرارگاہ اور فرشتوں کی آمدو رفت ہمارے ہاں ہی ہے۔

(۲) ہمارے بارے میں ہی قرآنی آیات نازل ہوئی ہیں۔ (آیات قرآنی کتاب کے ابتدائی حصّہ میں دی جاچکی ہیں۔ بہتر ہوگا ایک بار نظر دوڑا لیجئے۔)

(۳) ہم نے ہی دنیا والوں کو راہِ ہدایت دکھلائی۔

(۴) شجاعت و بہادری ہماری میراث ہے اور ہم کسی مشکل سے نہیں گھبراتے۔

(۵) لوگ اپنی فصاحت و بلاغت پر فخر کریں تو کیا۔ فصاحت و بلاغت کے مالک تو ہم ہیں۔

صراط مستقیم کی جانب ہدایت کرنا ، طلبگارِ علم کو علم کی دولت سے فیضیاب کرنا ہمارا شیوہ ہے۔ مومنین کے دل ہماری ولا و محبت سے پُر ہیں اور زمین و آسمان میں ہمارا مرتبہ سب سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اگر ہم نہ ہوتے تو خداوندِ عالم دنیا کو خلق نہ کرتا☆ ہمارے سوا کسی اور کو فخر زیبا نہیں۔ قیامت کے

☆ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُورِی (حدیث قدسی)

روز ہمارے دوست سیراب ہوں گے اور ہمارے دشمن اپنی بدبختی کی سزا جھیلیں گے۔☆

لوگوں نے حضرت کا یہ کلام سنا تو گریہ کرنے لگے اور چیخ چیخ کر فریاد بلند کرنے لگے۔ یزید نے موقع کی نزاکت کے پیشِ نظر مؤذّن کو اذان کا حکم دیا تاکہ امامؑ کا خطبہ منقطع ہو جائے۔

مؤذّن نے کھڑے ہو کر باآوازِ بلند کہا 'اللّٰہ اکبر' امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ 'تم نے خدائے بزرگ کی بزرگی بیان کی اور عظیم پروردگار کی تعظیم کی اور حق بات کہی'۔ اس کے بعد مؤذّن نے کہا اَشھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ امامؑ نے فرمایا 'میں گواہی دینے والے کے ساتھ گواہی دیتا ہوں۔ باوجود منکرین کے میں اس گواہی پر قائم ہوں'۔ پھر مؤذّن نے کہا 'اَشھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا الرَّسُولُ اللّٰہ'۔ امامؑ یہ جملہ سن کر رونے لگے اور سر سے عمامہ اتار کر پھینک دیا اور فرمایا کہ (اے مؤذّن تجھے انہی محمّد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

☆ نبی اکرمؐ کو صدمہ اور اذیت پہنچانا جرمِ عظیم ہے جو کوئی یہ حرکت کرتا ہے اس کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

اِنَّ الَّذِینَ یُؤذُونَ اللّٰہَ وَ رَسُولَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنیَا وَالآخِرَۃِ وَ اَعَدَّلَھُم عَذَاباً مُّھِیناً۔

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کو اذیت دیتے ہیں اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان پر لعنت فرماتا ہے اور اس نے ایسے لوگوں کے لئے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (سورۃ الاحزاب ۳۳، آیت ۵۷)

جن لوگوں نے خانوادۂ رسولؐ کی توہین کی ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب اور ذلت خدائے بزرگ و برتر مقدر کر دیتا ہے۔

کی قسم ذرا ٹھہرجا) پھر آپؑ یزید سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

''اے یزید! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تو بتا محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میرے جد تھے یا تیرے؟''

یزید نے جواب دیا:

''آپ کے جد تھے''۔

امامؑ نے فرمایا:

''پھر تو نے کس جرم میں ان کے اہلِ بیتؑ کو قتل کیا؟☆ کیوں ان کی مخدّراتِ عصمت و طہارت کو گنہگار قیدیوں کی طرح شہر بہ شہر پھرایا؟ کیوں مجھے یتیم کیا؟ اور کیوں میرے جد کے دین میں رخنہ ڈال دیا؟''۔

یہ کہہ کر امام زین العابدینؑ نے اپنا گریبان چاک کر ڈالا اور اہلِ مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''تم کو خدا کی قسم سچ بتاؤ کہ کیا میرے سوا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس کا جد خدا کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور حبیب رہا ہو؟''

حضرت کی یہ تقریر سن کر چاروں طرف چیخنے چلانے کی آوازیں بلند

☆ ماخوذ از ''مقتل ابی مخنف'' (ص ۱۴۹، ۱۵۰)

ہونے لگیں تو یزید فتنہ و فساد کے خوف سے پریشان ہو گیا اور جس شخص نے امام زین العابدینؑ کو منبر پر بھیجا تھا اس سے کہا:

''تجھ پر وائے ہو! انہیں منبر پر بھیجنے سے تیرا مقصد میری حکومت ختم کرنا تھا؟''

اس نے جواب دیا:

''خدا کی قسم مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ نوجوان ایسا کلام کر سکتا ہے''۔

یزید بولا:

''تو نہیں جانتا کہ یہ خاندانِ نبوّت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور معدنِ رسالت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کا ایک فرد ہے''۔

وہ بولا:

''اگر یہ معاملہ ہے تو تم نے اس کے باپ کو کیوں قتل کیا؟''

یزید☆ یہ سن کر غضبناک ہوا اور اس کے قتل کا حکم دیا اور بغیر نماز ادا کئے مسجد سے یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ ''مجھے نماز سے کوئی سروکار نہیں''۔

یہ حالات دیکھ کر اور سُن کر اہلِ شام جو خواب غفلت میں پڑے ہوئے تھے بیدار ہو گئے۔ امام حسینؑ کے سوگ میں بازار بند کر دیئے گئے

☆ دربار میں ضمیر کی مٹی پلید ہے
گویا بدی جہاں میں بہ شکل یزید ہے

اور اہلِ بیتؑ کے ساتھ تعزیت کا یوں اظہار کرنے لگے:

''خدا کی قسم! ہم نہیں جانتے تھے کہ نیزے پر یہ حسینؑ کا سر ہے کیونکہ ہم سے تو یہ بیان کیا گیا تھا کہ یہ ایک (نعوذباللہ) خارجی کا سر ہے جس نے سر زمینِ عراق میں بغاوت کی تھی''۔

یزید لعین نے جب یہ باتیں سنیں تو قرآن کے پارے منگوا کر مسجد میں بھیجوا دیئے تاکہ لوگ نمازوں سے فارغ ہو کر قرآن کی تلاوت میں مشغول رہیں اور امام حسینؑ کے واقعہ کی یاد ان کے دلوں سے محو ہو جائے لیکن یزید کا کوئی حربہ امام حسینؑ کی یاد کو بھلانے میں کارگر ثابت نہ ہوا۔

حق کی صدائے بازگشت نے ایوانِ کفر و ضلالت کو لرزہ بر اندام کر دیا۔ یزید کا نشۂ غرور ہرن ہو گیا اور وہ سوچنے لگا یہ کیا ہو گیا۔ محمدؐ کا دین تو میں کربلا میں دفن کر چکا تھا لیکن اسلام کا ڈوبتا سورج پھر افقِ زندگی سے ابھر رہا ہے کہیں میری کوششوں پر پانی تو نہ پھر جائے گا۔☆

خطبۂ امامؑ کا اثر

امام علی زین العابدینؑ کے خطبہ کا ایسا اثر ہوا کہ پورے دمشق میں یزید کے خلاف غم و غصّہ کی لہر دوڑ گئی اور لوگ جو کل تک اظہارِ مودّت

☆ سر کچل ڈالا فرعونِ وقت کا
تیرے اک خطبے نے زین العابدینؑ

کرتے تھے یزید سے نفرت کرنے لگے۔ اہلِ شام کو تو یہ بتایا گیا تھا کہ یہ ایک (نعوذ باللہ) خارجی کا سر ہے جس نے حاکمِ وقت کے خلاف بغاوت کی تھی ، تمام قیدی اسی کے عزیز ہیں۔ حقیقت کھل کر جب سامنے آئی تو یزید کے خلاف نفرت کی آگ سلگنا شروع ہو گئی۔

یزید تو اس زعمِ باطل میں مبتلا تھا کہ تکالیف اور مصائب کی زیادتی آلِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوصلوں کو پست کر دے گی اور آخر کار یہ لوگ شکست تسلیم کر لیں گے لیکن اُس نے یہ اندازہ نہیں لگایا تھا کہ قیدیوں میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نواسی عقیلۂ بنی ہاشم جناب زینب سلام اللہ علیہا بھی ہیں جو بیمار امامؑ کو سہارا بھی دے رہی ہیں اور انھیں باطل کے خلاف اپنے خطبات کی تلوار سے لڑنے کیلئے تیار کر رہی ہیں اور اس کے ساتھ ہی علیؑ کی شجاعت کا مظاہرہ بھی فرما رہی ہیں اور بابِ مدینۃ العلم کی بیٹی انھیں کے لہجے میں اپنے خطبات کے وار سے یزیدی فکر کو شکستِ فاش دینے میں بھی کامیاب ہو جائے گی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام قیدی مصائب کی زیادتی کے باوجود اپنے ارادوں میں مضبوط سے مضبوط تر ہوتے چلے گئے۔

برتر از اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی
(علامہ اقبالؒ)

اسیرانِ کربلا اور سرہائے شہداء کی تشہیر و نمائش نے یزید کی ساری تدابیر کو پلٹ کر رکھ دیا۔ مسلمان تو بہرحال مسلمان تھے اور غلط فہمی میں مبتلا تھے لیکن جب واقعات طشت ازبام ہوئے تو عیسائی اور یہودی بھی متاثّر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور یزید کی کارروائیوں سے متنفر ہو گئے۔

جب امامؑ حاضرین سے مخاطب تھے تو مجمع میں ایک یہودی عالم بھی تھا اس نے یزید سے پوچھا کہ یہ جوان کون ہے؟

یزید نے کہا : یہ علی بن حسینؑ ہیں

اس نے پوچھا: کون حسینؑ؟

علی ابن ابی طالب کے بیٹے

اس نے پھر پوچھا: ان کی والدہ کون ہیں؟

یزید نے کہا: دخترِ محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہودی نے کہا:

"سبحان اللہ! یہ تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کا فرزند ہے جسے تم نے قتل کیا ہے؟ تم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کتنے برے جانشین ہو ، خدا کی قسم اگر ہمارے پیغمبر موسیٰؑ بن عمران کی کوئی اولاد ہوتی تو ہم پرستش کی حد تک اس کا احترام کرتے، جب کہ تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئے ابھی صرف آدھی صدی گزری

ہے اور آج تم نے ان کے بیٹے☆ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر کے انہیں قتل کر دیا؟ افسوس ہے تمہارے حال پر"۔

یہودی کی اس بات پر یزید کو غصہ آ گیا اور کارندوں سے کہا:

"ذرا اس کی خبر لو"۔

یہودی عالم اٹھا اور کہا:

"اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو مجھے کوئی پروا نہیں ہے، میں نے (توراۃ) میں دیکھا ہے کہ جو اولادِ رسول کو قتل کرتا ہے اس پر ہمیشہ لعنت ہوتی ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنّم ہے"۔

جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا اور امام علی زین العابدینؑ کے خطبوں نے جلتی پر تیل کا اثر دکھایا اور اب یزید خود از حد پریشان رہنے لگا۔ اثر یہاں تک پہنچا کہ خود اس کے خاندان والوں نے خونِ ناحق اور اسیرانِ کربلا کی مظلومیت کا کھلم کھلاّ اقرار کرنا شروع کر دیا اور یزید کو بھی جلد ہی اپنی ناکامی کا یقین ہو گیا۔

یزید کو جب یقین ہو گیا کہ اس کے تمام مظالم ناکام ہو گئے۔

☆ آیۂ مباہلہ کے نزول کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم، سیّدہ فاطمہ الزہرا، حضرت علی المرتضیٰؑ حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو ساتھ لے کر نجران کے پادریوں کے مقابلے میں مباہلہ کے لئے تشریف لائے تھے اور اس وقت آپ نے فرمایا: اللھم ھٰؤلاء اھلی "اے اللہ یہ میرے اہل بیتؑ ہیں"۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل) اقتباس از فلسفۂ شہادت امام حسینؑ، پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، صفحہ ۹۰۔

مظلومین تو حق الیقین کی منزل پر پہنچے ہوئے تھے ظلم کو ہنستے مسکراتے برداشت کرتے رہے۔ اب یزید سیاسی چال سوچنے لگا کہ کس طرح اس ان مٹ گناہ کے داغ کو ہلکا کیا جائے اور سارے مظالم کی ذمہ داری کسی اور پر ڈال دی جائے۔ چنانچہ اس نے اپنی پالیسی یکسر بدلی اور تمام حادثات کی ذمہ داری عبیداللہ ابن زیاد پر ڈال دی جو بصرہ اور کوفہ کا گورنر تھا۔ زیاد بن سمیّہ وہ فرد ہے جس کے نسب کا پتہ نہیں اور جسے امیرِ شام نے اپنے خاندان میں بوجوہ شامل کر لیا تھا۔ یزید کی اس اچانک تبدیلی کی بابت تاریخِ کامل میں یوں مرقوم ہے:

"قتل حسینؑ کے تھوڑے ہی دنوں بعد یزید کے پاس وحشت ناک خبریں پہنچنا شروع ہو گئیں کہ لوگ اعلانیہ حسینؑ کے قاتل کو برا بھلا کہتے ہیں اور ان کے دلوں میں انتقام کی آگ سلگ رہی ہے۔ یزید ان خبروں سے بہت گھبرایا۔ اس نے سب کے سامنے عبیداللہ ابن زیاد کی برائیاں شروع کر دیں اور اس کو اس واقعہ کا واحد مجرم قرار دینے لگا"☆۔

علامہ جلال الدّین سیوطی کا بیان

اس سلسلہ میں علاّمہ جلال الدّین سیوطی "تاریخ الخلفاء" میں تحریر

☆ تاریخِ کامل

فرماتے ہیں:

"جب حضرت امام حسینؑ اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ شہید ہو چکے تو ابن زیاد نے ان تمام شہداء کے سروں کو یزید کے پاس دارالسلطنت دمشق بھیج دیا۔ یزید پہلے تو ان سر ہائے بریدہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوا مگر جب عامۃ المسلمین اس کے اس فعل پر اس سے ناراض ہوئے اور ملامت کی تو اس کو بھی افسوس ہوا اور اپنے فعل پر ندامت ہوئی۔ سچ تو یہ ہے کہ عامۃ المسلمین کا یزید کے اس فعل پر ناراضگی کا اظہار بالکل بجا تھا۔

ابوالعلی نے اپنی مسند میں ابوعبیدہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ میری امّت ہی عدل و انصاف پر قائم رہے گی یہاں تک کہ بنی امیہ میں یزید نامی ایک شخص ہوگا وہ اس عدل میں رخنہ اندازی کرے گا"۔

الرویانی نے اپنی مسند میں ابوالدروا کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کا یہ ارشاد سنا ہے کہ میری سنّت کو تبدیل کرنے والا بنی اُمیّہ کا ایک شخص یزید نامی ہوگا"۔☆

☆ تاریخ الخلفاء، علامہ جلال الدین السیوطی، ص ۴۲۸، ۴۲۹، پروگریسو بکس، لاہور ۱۹۹۷ء۔

یزید کے سیاسی پینترے

یزید کی پریشانیاں اب عروج پر ہیں، کثرتِ شراب بھی اسے سونے نہیں دیتی، چنانچہ یزید لوگوں کو جمع کرتا ہے اور کہتا ہے:

"اے اہلِ شام! کیا تمہارا خیال ہے کہ میں نے حسینؑ کو قتل کیا یا قتل کا حکم دیا! ایسا ہرگز نہیں۔ حسینؑ کو ابن مرجانہ (یعنی عبیداللہ ابن زیاد) نے قتل کیا"۔

علاّمہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں:

"یزید نے حضرت امام زین العابدینؑ کو طلب کیا اور کہا، 'تمہیں جو مانگنا ہے مانگو اور جو کچھ کہنا ہے کہو'۔ امامؑ نے فرمایا، 'سب سے پہلی حاجت یہ ہے کہ میرے باپ کے قاتلوں کو میرے حوالے کر دو تا کہ میں انہیں قتل کردوں۔ دوسری حاجت یہ ہے کہ مجھے اپنے جدِّ نامدار کے روضہ پر جانے دو'"۔

امامؑ کی پہلی حاجت کی تکمیل کے لئے یزید نے خولی کو بلا کر پوچھا:

"کیا حسینؑ کو تو نے قتل کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا:

"حسینؑ کو میں نے قتل نہیں کیا بلکہ سنان ابن انس نے قتل کیا ہے"۔

یزید نے سنان کو طلب کر کے اس سے دریافت کیا تو اس نے شمر کا نام بتایا۔ جب شمر سے پوچھا تو اس نے کہا:

''میں سچ سچ بتا دیتا ہوں کہ حسینؑ کا قاتل کون ہے؟

سن! حسینؑ کا قاتل وہی ہے جس نے قبائلِ عرب کو جمع کیا اور اس سلسلہ میں بیت المال کا منہ کھولا اور فوج ، گھوڑے ، اسلحہ جنگ اور نفقہ و خلعت دے کر روانہ کیا اور کہا کہ جاؤ حسینؑ سے جنگ کرو''۔☆

یزید کہنے لگا:

''جس نے یہ کام کیا وہ کون تھا؟''

اُس نے کہا:

''خدا کی قسم! اے یزید وہ تُو ہی تھا''۔

یہ سن کر بظاہر یزید شرمندہ ہوا اور اس نے اپنے کلمات سے پشیمانی اور ندامت کا اظہار کیا لیکن اس نے فسق و فجور سے پھر بھی توبہ نہیں کی ، نہ قاتلینِ حسینؑ سے کوئی باز پرس کی اور نہ اپنے اعمال و افعال کی اصلاح کی ، حسب سابق قتل و غارت ، سفاکی و خونریزی ، فسق و فجور کرتا رہا، جس کا اندازہ اس کے ان افعال سے ہوتا ہے جو بعد میں رونما ہوئے ، یعنی اہلِ مدینہ کا قتل عام یعنی واقعہ حرّہ (۶۲،۶۳ھ) ، بیت اللہ پر آگ

☆ کربلا اور کربلا کے بعد ، ارتضیٰ نواز پوری ، ص ۲۳۷۔

برسانے کا واقعہ (۶۴ھ)[1] ، یزید کے یہ ایسے گھناؤنے کام ہیں جن سے اس کے خونریز وسفاک اور فاسق و فاجر ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔

یہ شہادتِ عظمیٰ کا اعجاز ہے کہ شہادتِ حسینؑ تک یزید ابن معاویہ، عبیداللہ ابن زیاد ، عمر ابن سعد ، شمر ابن ذی الجوشن[2] اور خولی وغیرہ ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ قاتلینِ حسینؑ کی فہرست میں ان کا نام سرفہرست ہو، لیکن شہادتِ حسینؑ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد قتلِ امامِ مظلومؑ کی ذمّہ داری ایک دوسرے پر ڈالنے لگے۔ یزید نے ابن مرجانہ یعنی ابنِ زیاد کو حسینؑ کا قاتل قرار دیا۔ ابنِ زیاد نے عمر ابنِ سعد ، شمر ، خولی اور لشکر والوں کو قاتلِ امامؑ ٹھہرایا اور لشکر والوں نے یزید اور ابنِ زیاد کو اس فعل کا ذمّہ دار بتایا۔

حضرت منہالؒ بن عمروؓ کی حضرت سجادؑ سے ملاقات

دمشق کی قید کا زمانہ اہلِ بیتؑ کے لئے سوہانِ روح کا زمانہ تھا۔ اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ منہال بن عمروؓ نے بیمارِ کربلا سے ملاقات کی اور امامؑ

(۱) ان واقعات کی تفصیل میری زیرِ تصنیف کتاب ''تاریخ اسلام کا سفر'' (حصّہ سوم) میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) شمر کا نام شرجیل کنیت ابو سابغہ تعلّق بنی کلاب۔ شمر کا باپ ذی الجوشن ایک بہادر شخص تھا۔ بہادری اور جنگجوئی کی بناء پر فارس کے بادشاہ نے ایک سپر اعزازی دی تھی، جسکی وجہ سے اسے ذی الجوشن (صاحب سپر) کہا گیا۔

(حوالہ ''قیامِ امام حسینؑ کا جغرافیائی جائزہ'' ص ۳۲۶)

سے دریافت کیا۔ آپ کیسے ہیں؟ امام زین العابدینؑ نے فرمایا:

''ہم ویسے ہیں جیسے فرعون کے زمانے میں بنی اسرائیل تھے۔ وہ ان کے بچوں اور مردوں کو ذبح کرتا تھا اور ان کی عورتوں☆ کو زندہ رکھ چھوڑتا تھا۔ قریش عرب کے مقابلے میں فخر کرتے تھے کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریشی تھے۔ ہم اہلِ بیت محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قتل کئے گئے اور دربدر پھرائے گئے۔ ہمارے اوپر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔ ہمیں اس طرح کھینچا جا رہا ہے کہ جیسے ہم کسی مالِ غنیمت میں لائے گئے ہوں۔ اس طریقہ پر جیسے ہمارا حسب اور عزّت پست ترین ہو اور ہمارا نسب بھی پست ترین ہو۔ گویا ہم کسی شرف و فضیلت پر فائز نہ ہوں اور ہمارا حسنِ عمل روشن اور منزّہ نہ ہو اور حکومتِ یزید اور اس کے لشکر کے لئے ہی ہو اور جیسے فرزندانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کے ذلیل ترین لوگوں میں سے ہوں۔''

☆ اِنَّ فِرعَونَ عَلَا فِی الاَرضِ وَ جَعَلَ اَهلَهَا شِیَعاً یَّستَضعِفُ طَآئِفَةً مِّنهُم یُذَبِّحُ اَبنَآءَهُم وَ یَستَحیِی نِسَآءَهُم اِنَّهٗ کَانَ مِنَ المُفسِدِینَ۔

بلاشبہ فرعون نے دنیا میں گھمنڈ کیا اور اس کے رہنے والوں کو متفرق جماعتوں میں تقسیم کر دیا کہ ایک گروہ کو ان میں سے وہ کمزور بناتا تھا، ان کے لڑکوں کو ذبح کرتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھ لیتا تھا، یقیناً وہ خرابی پھیلانے والوں میں سے تھا۔

(سورۃ القصص ۲۸، آیت ۴)

منہال بن عمروؓ نے کہا:

''ابھی ہم آپس میں گفتگو کر ہی رہے تھے کہ خرابے سے ایک خاتون نکلیں۔ انہوں نے جناب زین العابدینؑ کی طرف متوجّہ ہوکر کہا:

'اے آلِ محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری نشانی اور اے سریرِ امامت کے تاجدار! آپ کہاں چلے گئے؟'

اس خاتون کی آواز سن کر جناب امام زین العابدینؑ فوراً ان کی طرف چل دیئے۔ میں نے اس خاتون کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ ان کی پھوپھی سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہا تھیں''۔

ھند زوجۂ یزید کی جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا سے گفتگو

قیدیوں کو دمشق لایا گیا تو کچھ دنوں بعد ایک عورت یزید کی بیوی ھند☆ کے پاس آئی اور اس سے کہا:

''اے ھند! ابھی ابھی کچھ قیدی آئے ہیں اور مجھے معلوم نہیں وہ کون ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ بھی آئیں اور ہم انہیں

☆ ھند بنت عبداللہ یزید سے شادی سے قبل امیرالمومنین علی مرتضیٰؑ کے گھر میں خادمہ تھیں اور گھر کا کام کاج کیا کرتی تھیں۔ ان کا دل اہلِ بیتؑ کی محبت سے سرشار تھا۔

(ماخوذ از ''علیؑ کی بیٹی'' ڈاکٹر علی قائمی، ص ۴۴۲)

دیکھ کر حقیقتِ حال معلوم کریں''۔

ھند اُٹھی اور عمدہ لباس زیبِ تن کیا ، چادر اوڑھی اور خادمہ کو حکم دیا کہ اس کے لئے کرسی لگا دی جائے تا کہ آرام اور اطمینان سے بیٹھ کر قیدیوں کو دیکھ سکے۔

جب وہ کرسی پر بیٹھ گئی تو سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہا کی نظر اس پر پڑی۔ جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا نے غور سے اس کی طرف دیکھا تو اسے پہچان لیا اور اپنی بہن امِّ کلثوم سے کہا:

''بہن! کیا آپ نے اس عورت کو پہچانا؟''

حضرت امِّ کلثومؑ نے جواب دیا:

''نہیں میں نے اسے نہیں پہچانا''۔

سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہانے فرمایا:

''بہن! یہ ہماری کنیز ھند بنت عبداللہ ہے جو ہمارے گھر میں کام کاج کیا کرتی تھی''۔

ثانیٔ زہرا سلام اللہ علیہا کی بات سن کر امِّ کلثومؑ نے خاموش ہو کر اپنا سر نیچا کر لیا اور اسی طرح ثانیٔ زہراؑ نے بھی اپنا سر نیچا کر لیا تا کہ ھند ان کی طرف متوجّہ نہ ہو لیکن ھند ان دونوں بیبیوں کو غور سے دیکھ رہی تھی ، چنانچہ ھند نے آگے بڑھ کر پوچھا:

''بہن! آپ نے آپس میں گفتگو کر کے اپنے سروں کو

جھکا لیا ہے، کیا کوئی خاص بات ہے؟''۔

حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش رہیں۔

ھند نے پھر پوچھا:

''بہن! آپ کس علاقہ سے ہیں؟''

اب سیّدہ صلواۃ اللہ علیہا خاموش نہ رہ سکیں اور فرمایا:

''ہم مدینہ کے رہنے والے ہیں''۔

ھند نے مدینہ کا نام سنا تو احترام سے کھڑی ہوگئی اور پوچھنے لگی:

''بہن! کیا آپ مدینہ والوں کو جانتی ہیں؟''

سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہا نے فرمایا:

''آپ کن مدینہ والوں کے متعلق دریافت کرنا چاہتی ہیں؟''۔

ھند نے کہا:

''میں اپنے آقا امام علیؑ کے گھرانے کے متعلق دریافت کرنا چاہتی ہوں''۔

سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہا نے کہا:

''تم علیؑ کے گھرانے کو کیسے جانتی ہو؟''

علیؑ کے گھرانے کا خیال آتے ہی ھند کی آنکھوں سے اشک جاری ہوگئے اور کہنے لگی:

"میں اس گھر کی خادمہ تھی اور وہاں کام کیا کرتی تھی۔ مجھے اس گھر سے بہت محبت ہے۔"

سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہانے پوچھا:

"تم اس گھر کے کن افراد کو جانتی ہو اور کن کے متعلق دریافت کرنا چاہتی ہو؟"

ھند نے کہا:

"میں امام علیؑ کی اولاد کا حال معلوم کرنا چاہتی ہوں ، میں حسینؑ و اولادِ حسینؑ اور علیؑ کی پاکباز صاحبزادیوں کا حال معلوم کرنا چاہتی ہوں ، خاص طور پر اپنی آقا زادیوں جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا اور امِ کلثومؑ کی خیریت دریافت کرناچاہتی ہوں"۔

یہ جملہ سنتے ہی حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا نے پُردرد انداز میں فرمایا:

"اے ھند! اگر آلِ علیؑ کے متعلق پوچھتی ہو توسن! ہم مدینہ چھوڑ چکے ہیں اور آلِ علیؑ کی شہادت کی خبر مدینہ پہنچانے کے منتظر ہیں اور اگر حسینؑ کی حالت سے باخبر ہونا چاہتی ہو تو سنو! یزید کے سامنے جو سر موجود ہے وہ حسینؑ کا ہے اور اگر عباسؑ اور اولادِ علیؑ کا پوچھتی ہو تو ہم ان کے جسم کے ٹکڑے

نبیؐ کی نواسی حضرت زینب سلام اللہ علیہا — سیدعلی اکبر رضوی

اور بے سر لاشے کربلا میں چھوڑ آئے ہیں اور اگر زین العابدینؑ کا پوچھتی ہو تو وہ بیماری اور شدّتِ درد کی وجہ سے چلنے پر قادر نہیں اور اگر زینب صلواۃ اللہ علیہا کی خبر پوچھنا چاہتی ہو تو میں زینب بنتِ علیؑ اور یہ امِ کلثومؑ ہیں"۔

ھند نے یہ جملہ سنتے ہی فریاد بلند کی:

"وا اماں ، وا سیدا ، وا حسینا۔ کاش میں اندھی ہو جاتی اور بناتِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اس حالت میں نہ دیکھتی۔ پھر شدتِ غم سے ایک پتھر اپنے سر پر مارا جس سے خون جاری ہوا اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ جب ہوش میں آئی تو دیکھا جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا اُس کے سرہانے تھیں۔ فرمایا:

"اے ھند اٹھو اور اپنے گھر جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تیرا شوہر یزید تجھ پر غضبناک ہو"۔

ھند بولی:

"خدا کی قسم! جب تک ابا عبداللہ الحسینؑ پر ماتم نہ کرلوں آپ اور ہاشمی خواتین کو گھر نہ لے جاؤں واپس نہ جاؤں گی"۔

ھند اُٹھی ، لباس چاک کئے ہوئے پا برہنہ یزید کے پاس آئی جو دربار میں دمشق کے سربراہوں کے درمیان بیٹھا تھا ، ھند نے فریاد کی اور کہا:

''اے یزید! کیا تو نے سرِ مقدّس حسینؑ فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو دروازے کے کنارے نیزے پر لٹکانے کا حکم دیا ہے؟''

یزید جو سلطنت کا رنگین تاج پہنے، تخت پر تکیہ لگائے بیٹھا تھا اچانک اپنی زوجہ کی یہ حالت دیکھی تو اپنی جگہ سے اٹھا اور اسے چادر اوڑھاتے ہوئے بولا:

''خدا لعنت کرے ابنِ زیاد پر جس نے جلد بازی کی اور حسینؑ کو قتل کیا''۔

یزید اسے چادر اوڑھا رہا تھا تو ھند بولی:

''اے یزید! وائے ہو تجھ پر! میرے متعلق غیرت سے کام لیتے ہو، بناتِ زہرا سلام اللہ علیہا کے متعلق تمہاری غیرت کہاں گئی؟ تم نے ان کی چادریں چھینیں اور ان کے چہرے آشکار کئے اور ان کو خرابوں میں قید کرکے خود امن و سکون کی نیند سونا چاہتے ہو۔ خدا کی قسم جب تک انہیں میرے ساتھ نہیں بھیجوگے، اس وقت تک میں تمہارے گھر میں قدم نہیں رکھوں گی''۔

اس کے بعد یزید کا رویہ قدرے بدلا اور اسیران کربلا کی طرف ملتفت ہونے لگا۔

اہلِ بیتِ رسولِ مقبولؐ کی رہائی

اہلِ بیتؑ کو کتنے عرصے دمشق میں قید رکھا گیا، اس میں کافی اختلاف ہے۔ یہ امر ذہن نشین رہے کہ یہ وہ دور تھا جب لکھنا پڑھنا عام نہیں ہوا تھا، کچھ اہل دانش و بینش اور چند اہلِ قلم حضرات نے بڑی تگ و دو کے بعد واقعات جمع کئے اور سپردِ قلم فرمائے۔ انہی حضرات کی مساعی کا نتیجہ ہے کہ تاریخی واقعات ہمیں معلوم ہوئے۔ بہرحال یہ کہنا محال ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے بالکل ایسا ہی ہو، کیونکہ روایتوں کے بیان میں بھی اختلاف ہے۔

بہر حال جب یزید کو اپنی سیاہ کاریوں کے بُرے انجام نظر آنے لگے اور اسے یقین ہوگیا کہ اہلِ بیتؑ کو مزید قید رکھنا اس کے اقتدار کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا تو اس نے ایک دن سیّد السجّادؑ کو دربار میں طلب کیا، اپنے پہلو میں بٹھایا، بڑی شفقت سے ان کی طرف دیکھا اور کہنے لگا:

''خدا ابنِ زیاد پر لعنت کرے جس نے آپ کے والدِ بزرگوار کے ساتھ یہ سلوک کیا اور ان پر ظلم روا رکھا۔ خدا کی قسم! اگر وہ (امام حسینؑ) اور میں آمنے سامنے آجاتے تو میں ان کی جملہ خواہشات کا مثبت جواب دیتا''۔

اس کے بعد اُس نے کہا:

''میں نے آپ سب کو رہا کیا ، اب آپ کو اختیار ہے خواہ یہاں (دمشق) رہیں یا مدینہ چلے جائیں یا جہاں چاہیں تشریف لے جائیں''۔

سیّدالسجادؑ نے جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا کی رائے اور مشورہ پر عمل کرنے کو ترجیح دی۔ چنانچہ طے پایا کہ قافلۂ اہلِ بیتؑ شام سے مدینہ روانہ ہو جائے۔ یزید اس رائے سے متفق ہوا اور سفر کے انتظامات کا حکم دیا۔

شہداء کربلا کی دمشق میں مجلس

امام سیدِ السجادؑ نے یزید سے کہا:

''ہماری عورتیں تیرے پہرہ داروں کی سختی کی وجہ سے اب تک اپنے شہیدوں کو دل کھول کر رو بھی نہ سکیں ، اگر تو اجازت دے تو ہم فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی صف ماتم بچھائیں''۔

یزید نے اجازت دے دی اور ایک مکان محلّہ ''دارالحجارہ'' میں اس مقصد کے لئے خالی کرایا گیا۔ اہلِ بیتؑ اس مکان میں تشریف لے گئے۔ دمشق میں جو قریشی اور ہاشمی خاندان رہتے تھے ان کی عورتیں مجلس ماتم و تعزیت میں شریک ہوئیں۔ گو یزید شام میں آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ و

سلّم کی سوگواری اور عزاداری پر رضا مند نہ تھا بلکہ جلدازجلد اہلِ بیتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو مدینہ روانہ کرنا چاہتا تھا ، لیکن تین روز تک دمشق میں عزاداری ہوئی۔ کہتے ہیں کہ یزید خود بھی اس میں شریک ہوا تاکہ گناہوں کا بوجھ کچھ ہلکا ہو۔ واللہ الاعلم بالصواب۔

روانگی سے قبل امام زین العابدینؑ نے یزید سے مطالبہ کیا کہ ہمارے لوٹے ہوئے سامان واپس کئے جائیں۔ یزید نے کہا کہ اس سے کئی گنا مال دے دوں گا۔

امام زین العابدینؑ نے فرمایا:

''مجھے کسی اضافی مال کی قطعی ضرورت نہیں ہے وہ تمہیں ہی مبارک ہو ، ہمیں تو وہی مال واپس کر دو جو لوٹا گیا ہے کیونکہ اس مال میں میری نانی فاطمہ زہراؑ کا مقنع ، گلو بند ، پیراہن ، ایک چرخہ اور دوسرے تبرّکات ہیں۔

یزید نے لوٹا ہوا سامان لوٹانے کا حکم دیا اور اس میں اپنی طرف سے کچھ دینار کا اضافہ کر دیا لیکن امام زین العابدینؑ نے دیناروں کو واپس کردیا۔

شام سے اہل بیتؑ کی روانگی

یزید نے نعمان بن بشیر انصاریؓ☆ کو حکم دیا کہ اہلِ بیتؑ کے سفر کا

☆ حضرت مسلم بن عقیل جب کوفہ پہنچے تھے تو اس وقت یزید کی طرف سے نعمان بن بشیر وہاں کے گورنر تھے۔ یزید نے انہیں معزول کر کے ان کی جگہ عبیداللہ ابن زیاد کو کوفہ کا امیر مقرر کیا ، نعمان بن بشیر شام لوٹ آئے تھے۔ (الاستیعاب ، ج۴، ص ۱۴۹۶)

انتظام کرو اور ایک امین آدمی کے ساتھ مدینہ منوّرہ روانہ کرو۔

روانگی کے وقت یزید نے امام زین العابدینؑ کو بلایا اور ایک بار پھر کہا:

''خدا لعنت کرے مرجانہ کے بیٹے پر اگر آپ کے والدِ محترم سے میری ملاقات ہو جاتی تو ان کی ہر پیش کش قبول کر لیتا اور جیسے بھی ممکن ہوتا انہیں قتل ہونے سے بچا لیتا اگرچہ اس سلسلے میں میرے بعض بیٹے بھی مارے جاتے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان کی شہادت خدا کا فیصلہ تھا۔[1] جب وطن لوٹنے کے بعد اطمینان سے زندگی بسر ہونے لگے تو مجھے خط لکھئے اور جس چیز کی بھی ضرورت ہو مجھے لکھئے''۔[2]

یہ سب دکھاوے کی باتیں تھیں۔ جلد ہی یزید نے مدینہ منوّرہ اور مکّہ مکرّمہ پر کس قدر ظلم ڈھائے ''تاریخِ اسلام'' (حصّہ سوم) میں ملاحظہ فرمایئے۔ (واقعہ حرّہ اور خانۂ کعبہ پر آگ برسانے کا واقعہ تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے جو بھلایا نہیں جا سکتا۔)

یزید نے دوبارہ نعمان بن بشیر کو بلایا اور ان سے کہا:

(۱) اس وقت مجھے واقعۂ مباہلہ ۱۰ھ یاد آ رہا ہے۔ جب نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نجران (یمن) کے عیسائیوں کے ساتھ مباہلہ کے لئے چلے تو حسنؑ و حسینؑ آگے آگے تھے اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا پیچھے چل رہی تھیں اور علی مرتضٰیؑ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے پیچھے چل رہے تھے۔ گویا انہیں بتا دیا کہ جب کبھی اسلام پر برا وقت پڑے تو دین کو بچانے کے لئے سب کچھ قربان کر دینا اور اسلام کو بچا لینا۔ چنانچہ ان محترم ہستیوں نے قربانیاں دے کر اسلام کو بچایا اور ہمیشہ کے لئے زندۂ جاوید ہوگئے۔

(۲) تاریخ طبری جلد ۵، ص ۲۳۳۔

''دیکھو! اہلِ بیتؑ کی آبرو اور ان کی شان و عظمت کا خیال رکھنا، راتوں کو راستہ طے کرنا، ان کے آگے آگے خود چلنا اور راستہ میں اگر انہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو فراہم کرنا''۔

بہرحال راستہ بھر اہلِ بیتؑ کے ساتھ نرم رویہ اختیار کیا گیا، جن لوگوں کو یزید نے ان کے ہمراہ کیا تھا وہ نگہبانوں کی مانند انہیں اپنے حصار میں لئے رہتے تھے اور جب کسی منزل پر اترتے تھے تو وہ ان سے دور الگ ہٹ جاتے تھے، تاکہ آسانی سے وضو (طہارت) وغیرہ کر لیں۔[1]

کربلا میں شہدائے کربلا کا چہلم

اہلِ بیتؑ اپنا سفر طے کرتے رہے یہاں تک کہ عراق و مدینہ کے راستے پر پہنچے، یہاں علی زین العابدینؑ نے امیرِ کارواں سے کہا کہ ہمیں کربلا لے چلو، چنانچہ وہ کربلا کی طرف مڑ گئے، جب کربلا پہنچے تو وہاں حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاریؓ[2] کو دیکھا جو چند بنی ہاشم اور خاندانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ امام حسینؑ کی زیارت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ سیّدانیوں نے سبطِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی صفِ ماتم

(۱) صحیفۂ کربلا، ص ۴۷۲، حجۃ الاسلام علی نظری منفرد۔

(۲) حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ بن عمرو بن حرام انصاری رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ تقریباً اٹھارہ غزوات میں شریک ہوئے تھے، پھر حضرت علیؑ کے ساتھ جنگِ صفّین میں رہے، ان سے بہت سی احادیث منقول ہیں، آخری عمر میں اندھے ہو گئے تھے، ۹۴ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ (الاستیعاب، ص ۲۱۹)

بچھائی ، قافلہ ۲۰ صفر ۶۲ھ کو کربلا دوبارہ پہنچا تھا۔

کربلا میں آمد کی مختلف روایات کو یکجا کریں تو صورتحال کچھ یوں ہوتی ہے:

(۱) اسیرانِ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم شہادتِ امام حسینؑ کے بعد ۱۱/ محرم ۶۱ھ کو کربلا سے کوفہ روانہ ہوئے پھر ، کوفہ سے دمشق کی طرف روانہ کئے گئے۔ کوفہ سے دمشق جاتے ہوئے یہ قافلہ پہلی بار ۲۰ صفر ۶۱ھ کو کربلا سے گزرا اور وہاں امامؑ کا چہلم بپا کیا۔

(۲) ۱۴ ربیع الاول ۶۱ھ کو یہ قافلہ دمشق پہنچا تھا۔

(۳) حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ جب میں ۲۰ صفر ۶۲ھ کو کربلا معلّٰی میں زیارتِ امامؑ کے لئے پہنچا تھا تو اسی روز امام زین العابدینؑ بھی مع اہلِ حرم قید سے چھوٹ کر واردِ کربلا ہوئے تھے۔

قافلۂ اہلِ بیتؑ (کاش میں اب بھی قافلۂ حسینیؑ کہہ سکتا! کہوں تو کیونکر کہوں؟ اب نہ تو امامؑ عالی مقام ہیں اور نہ وہ بھرا گھر ، سب اللہ کی راہ میں قربان ہو گئے ، اب تو مردوں میں صرف سیّد السجّاد علی زین العابدینؑ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی نواسی جناب زینب صلوٰۃ اللہ علیہا اور چند سوگوار بیبیاں اور معصوم بچّے اور بچّیاں ہیں۔) اسیران کربلا کا قافلہ بہر حال دوبارہ ۲۰ صفر ۶۲ھ کو کربلا پہنچا ، چند روز کربلا میں قیام فرمایا ، صفِ ماتم بچھائی اور مدینہ کی جانب روانہ ہوگئے۔

اہلِ بیتِ رسولؐ کا مدینہ میں ورود

اہلِ بیتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا لٹا ہوا قافلہ جب مضافاتِ مدینہ میں پہنچا تو امام زین العابدینؑ نے قافلہ کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ مخدّرات کے لئے خیمے نصب ہوئے۔ یوں تو تمام سفر رنج و الم میں گزرا ، بھرا گھر لٹا۔ اب ذرا اہلِ دل غور فرمائیں ، قافلہ جب مدینہ سے روانہ ہوا تھا تو پورا کنبہ ساتھ تھا۔ امامِ عالی مقامؑ تھے ، عبّاسؑ علمدار تھے، علی اکبرؑ تھے ، قاسمؑ تھے ، عون و محمّد تھے ، کس کس کا نام لکھوں ، آنکھیں آبدیدہ اور آواز گلوگرفتہ ہے ، ذرا سوچئے کیونکر لکھوں کہ جب مدینہ سے روانہ ہوئے تھے تو گود میں شیر خوار بچّہ بھی تھا جو اب کربلا کے جلتے تپتے میدان میں زیرِ زمین سو رہا ہے۔ ماں کی گود خالی ہو چکی ہے اور بے چارگی کے عالم میں ادھر ادھر تکتی کارواں کے ساتھ چل رہی ہے، اس کیفیت کو اہلِ دل اور صاحبِ اولاد ہی سمجھ سکتے ہیں۔ شقی القلب تو ہر حال میں شقی القلب☆ ہی رہتے ہیں۔

☆ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضاً وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ۔

ان کے دلوں میں ایک خاص طرح کی بیماری ہے تو اللہ نے اُن کی بیماری اور بڑھا دی اور انہیں ایک درد ناک عذاب اس وجہ سے ہو گا کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔
(سورۃ البقرۃ ۲،آیت ۱۰)

قربِ مدینہ پہنچنے کے بعد امام زین العابدینؑ نے نعمان بن بشیر سے فرمایا:

"تمہارے باپ شاعر تھے ، کیا تمہیں بھی شاعری سے دلچسپی ہے؟"

جواب ملا: "جی میں شاعر ہوں"۔

امامؑ نے فرمایا: "حسینؑ ابن علیؑ کی سنائی سنا دو"۔

نعمان نے تعمیل کی۔ اس کے بعد وہ سر برہنہ ، پریشان حال ، مدینۃ الرسولؐ میں داخل ہوا اور درد ناک لہجہ میں بہ آوازِ بلند قافلہ کی آمد کی اطلاع دی اور اشعار پڑھے:۔

يَا اَهلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُم بِهَا — قُتِلَ الْحُسَينُ فَادُ معی مِدُ راراً

وَالْجِسْمُ مِنْهُ بِكَرْبَلاَ مُضَرِّجٌ — وَالرَّاْ سُ مِنْهُ عَلَى الْقَنَاةِ يُدارُ

مدینہ والو! مدینہ رہنے کی جگہ نہیں رہی ، حسینؑ قتل ہو گئے۔ انہیں کی سوگ میں میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ ان کی نعش کربلا میں خاک و خون میں غلطاں ہے اور ان کے سر کی نیزہ پر تشہیر کی گئی۔

اہلِ مدینہ نے سنا تو کہرام مچ گیا ، عورتیں بچّے گھروں سے نکل آئے اور قافلہ کی طرف دوڑ پڑے۔ امّ المومنین حضرت امِّ سلمہؓ زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ، جناب امّ البنین زوجۂ علی مرتضےٰؑ (مادرِ عبّاسؑ علمدار) اور خاندانِ عبدالمطلب کی دیگر خواتین "واحسینا" کی صدا بلند کرتی ہوئی گھروں سے نکلیں اور قافلہ کی طرف بڑھیں۔ امام زین العابدینؑ کو دیکھنا تھا کہ کہرام بپا ہو گیا۔ امام حسینؑ کی اس بچّی (فاطمہ

صغریٰ) پر کیا گزری ہو گی جسے امام مدینہ چھوڑ گئے تھے۔ ہاتھ میں رعشہ ہے ، آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے ہیں قلب منقلب ہے پھر کیا لکھوں اور کیسے لکھوں بہرحال امامؑ نے جو کچھ فرمایا پیش کیا جارہا ہے:

"اے لوگو! ہم بڑے مصائب میں مبتلا کئے گئے۔ دیوارِ اسلام میں بہت بڑی دراڑ پڑ گئی۔ ابا عبداللہ الحسینؑ اور ان کے اہلِ بیتؑ قتل کر دیئے گئے ان کی خواتین اور بچّے قیدی بنائے گئے اور لشکر یزید نے شہداء کے سروں کو نیزوں پر بلند کر کے شہر بہ شہر پھرایا۔ یہ وہ مصیبت ہے جس کے برابر کوئی مصیبت نہیں۔ اے لوگو! تم میں سے کون ایسا ہے جو شہادتِ حسینؑ کے بعد خوش رہے ، کون سا دل ہے جو غمِ حسینؑ سے متاثر نہ ہو اور کون سی آنکھ ہے جو حسینؑ پر آنسو نہ بہائے۔

اے لوگو ، سنو! شہادتِ حسینؑ پر ساتوں آسمان روئے ، سمندر اور اس کی موجیں روئیں ، زمین اور اس کے اطراف روئے ، درخت اور اس کی شاخیں روئیں۔ مچھلیاں اور بحری جانور روئے ، ملائکۃ المقرّبین روئے اور تمام آسمان والے روئے۔ اے لوگو! کون سا دل ہے جو شہادتِ حسینؑ کی خبر سن کر پھٹ نہ جائے۔ کون سا دل ہے جو محزوں نہ ہو"۔☆

☆ مقتل ابی مخنف ، ص ۱۸۸ ، ناسخ التواریخ ، جلد ۴ ، ص ۲۸۶۔

اس کے بعد کاروانِ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم شہر میں داخل ہوا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حرمِ مطّہر کے آثار نظروں کے سامنے آئے تو حضرت امّ کلثومؑ نے یہ نوحہ پڑھنا شروع کیا:

''اے ہمارے جد کے مدینہ تو ہمارے آنے کو قبول نہ کر کہ ہم حسرتوں اور مصیبتوں کے ساتھ تیرے پاس آئے ہیں۔ ہم جب آپ سے جدا ہو کر نکلے تھے تو ہمارے ساتھ سب اہل و عیال موجود تھے۔ اب ہم جب واپس آئے ہیں تو ناامید اور مایوس ہیں ، ہم ضائع ہو گئے سوائے باری تعالیٰ کوئی ہمارا کفیل و مدد گار نہیں ہے۔ ہم نوحہ کرتے ہیں اور روتے ہیں۔ ہم وہ ہیں جو دربدر اونٹوں پر پھرائے گئے اور ان اونٹوں پر سوار کئے گئے جو بے کجاوہ تھے۔ ہم دخترانِ آل یٰسین و طٰہٰ ہیں۔ ہم لوگ وہ ہیں جو بلاؤں پر صبر کرتے ہیں اور ہم وہ ہیں جو روتے ہیں ان لوگوں پر جو پیشوا تھے ، آگاہ ہو اے جدِ بزرگوار کہ لوگوں نے حسینؑ کو قتل کرڈالا''۔

واقعات نہایت پُر درد اور طویل ہیں ، میں لکھ نہیں سکتا ، آپ پڑھ نہیں سکتے۔ اہلِ قافلہ رکے رہے ، واقعات سناتے رہے ، لیکن سیّد السّجادؑ سیدھے روضۂ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر حاضر ہوئے۔

سیّد السّجادؑ روضۂ رسولؐ پر

تاریخ الخمیس میں روایت ہے:

''جب اہل بیتؑ کا قافلہ شہرِ مدینہ میں داخل ہوا تو حضرت امام زین العابدینؑ سیدھے اپنے جدّ بزرگوار کے روضۂ اقدس پر تشریف لے گئے اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر سر رکھ کر فریاد کی:

'اے نانا! اے افضل المرسلین! آپ کا محبوب (حسینؑ) شہید کر دیا گیا۔ اے نانا! آپ کے حسینؑ کو فرات کے کنارے بھوکا پیاسا قتل کیا گیا اور آپ کی ذرّیت تباہ و برباد کر دی گئی۔ اے نانا مجھے قید کیا گیا اور آپ کے اہلِ بیتؑ کو سر برہنہ پھرایا گیا ، ہم پر اتنے مصائب ڈھائے گئے جو انگلیوں پر شمار نہیں کئے جا سکتے' ''۔☆

سیّدہ زینب صلوٰۃ اللہ علیہا نانا حضورؐ کے شہر میں

مدینہ پہنچ کر بھی سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہا کو سکون نصیب نہ ہوا ، سکون کیونکر نصیب ہوتا دل و جگر کے ٹکڑے کربلا میں بھوکے پیاسے جدا

☆ مقتل ابی مخنف ، ص ۱۴۳۔

ہوگئے تھے ان کی یاد میں ہر وقت اداس رہتی تھیں۔ کبھی عباسؑ کے کٹے ہوئے بازو یاد آتے تو کبھی اکبرؑ کے سینے میں پیوست برچھی کا پھل، کبھی قاسمؑ کی لاش پر گھوڑے دوڑنے کا سماں آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتا تو کبھی معصوم علی اصغرؑ کا تبسّم یاد آجاتاہے۔ کبھی عونؑ کی جوانی کا تصور دل میں موجزن ہوتا تو کبھی محمدؑ کا ابھرتا ہوا شباب۔

کبھی مسلم بن عقیل کا دارالامارہ کی چھت سے گرایا جانا آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے، تو کبھی طفلانِ مسلم کی ننھی ننھی نعشیں دریا کی طوفانی موجوں میں بہتی نظر آتیں۔ کبھی مسلم بن عوسجہ یاد آتے تو کبھی حبیب ابن مظاہر۔ کبھی زہیر بن قین یاد آتے تو کبھی عبداللہ ابن عمیر۔

کبھی حسینؑ کا گھوڑے سے نیچے آنا یاد آتاہے تو کبھی ذوالجناح کا خالی خیموں میں واپس آنا۔ کبھی شامِ غریباں یاد آتی تو کبھی معصوم بچوں کی آہیں۔ کبھی ابنِ زیاد کے دربار میں پیش ہونا یاد آتا تو کبھی یزید کے ایوان سلطنت میں گھنٹوں کھڑے رہنا، کبھی زندان کی تنگ و تاریک کوٹھریاں یاد آتی تو کبھی خرابۂ شام کی ٹوٹی ہوئی دیواریں اور کبھی مدینہ کا شاد و آباد گھر یاد آتا تو کبھی نانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا روضہ، کبھی کربلا کے تپتے صحرا میں شہداء کی بے گور و کفن نعشیں یاد آتیں تو کبھی معصومہ سکینہ کا پانی کا کوزہ لے کر مقتل کی طرف دوڑنا۔ یہ سب غم و الم اور مصیبت و درد کے وہ اسباب تھے جس نے نبیؐ کی نواسی اور علیؑ کی بیٹی کے دل کو رنج و

غم کی آماجگاہ بنا دیا تھا، جس کا تصور کر کے نیک انسان حزن و ملال کا پیکر بن جاتاہے۔ عالم یہ تھا کہ زینب صلواۃ اللہ علیہا ایک بے جان ڈھانچہ بن گئیں، گویا لگتا تھا جیسے رسولؐ زادی کے جسم میں روح ہی نہیں۔

زینب صلواۃ اللہ علیہا نے اپنے گھر یعنی عبد اللہ بن جعفرِ طیّار کے گھر کو غم کدہ بنا لیا اور ہمیشہ گریہ و بکا میں مشغول رہتیں۔ آپ کے ساتھ دوسری بیبیاں بھی سیاہ لباس پہن کر شب و روز نوحہ و ماتم میں مصروف رہتی تھیں۔ مختصر یہ کہ آلِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا گھر عزاخانہ بن گیا۔

ہاں جب امیر مختار نے ۶۷/۶۶ھ میں عبید اللہ ابن زیاد، عمر ابن سعد اور چند دیگر قاتلین کے سر امام مظلوم حضرت علی زین العابدینؑ کی خدمت میں بھجوائے تو دشمنانِ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ہلاکت پر گھر میں قدرے سکون ہوا لیکن جناب زینب سلام اللہ علیہا دنیا سے رخصت ہو چکی تھیں۔

ظاہر ہے کہ اتنے مصائب جھیلنے کے بعد اور بے حد کمزور ہونے کی وجہ سے جناب زینبؑ زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکیں اور ۱۵ رجب ۶۲ھ میں آپ انتقال فرماگئیں۔

سیّدہ زینب صلوات اللہ علیہا کا انتقال

سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہا کے وفات کے سلسلے میں مورّخین کے درمیان کافی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ کچھ مورّخین کہتے ہیں کہ سیّدہ نے مدینہ ہی میں وفات پائی اور جنّت البقیع میں مادرگرامی کے پہلو میں مدفون ہیں۔

ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی مصری نے لکھاہے:

''مشہور ترین قول کے مطابق سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہا نے بروز یکشنبہ چودھویں ماہ رجب ۶۲ھ کو قاہرہ میں انتقال فرمایا اور ان آنکھوں کو جنھوں نے کربلا کی قتل گاہ دیکھی تھی ہمیشہ کے لئے بند کر دیا اور ان کے جسمِ اقدس نے جس نے ناقابلِ برداشت تکلیفیں اٹھائی تھیں سکون پایا۔ مرحومہ کو مسلمہ بن مخلد انصاری کے مکان میں جہاں ان کا قیام تھا دفن کیا گیا۔ ان کی قبرِ مطہّر آج تک زیارت گاہ ہے اور مسلمان دنیا کے دور دراز گوشوں سے زیارت کے لئے وہاں جاتے ہیں۔ ان کی جاں فرسا مصیبتوں کی داستان برسوں بلکہ قرنوں لوگوں کی زبانوں پر جاری رہے گی''۔

(''کربلا کی شیر دل خاتون'' ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی مصری، ص ۱۷۳)

مولانا سیّد ابنِ حسن نجفی نے بھی اپنی کتاب ''حضرت زینبِ کبریٰ صلواۃ اللہ علیہا کے تاریخ ساز اور عہد آفریں خطبے'' میں تحریر فرمایاہے:

''مصر کے باشندوں کے مطابق قاہرہ کے قناطرالسّباع والے علاقے میں شاہراہ سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہا پر جوعظیم الشان مرقدِ مطہّر موجود ہے، وہ ثانیٔ زہرا جناب زینب صلواۃ اللہ علیہا کی درگاہ ہے''۔

بعض مورّخین نے لکھاہے کہ آپ اپنے شوہر جناب عبد اللہ بن جعفرطیّارؓ کے ساتھ شام گئیں اور وہاں پہنچتے ہی بیمار ہوگئیں اور وفات پائی، راویہ نامی بستی میں آپ کو دفن کیا گیا۔ آپ کامرقدِ مطہّر شام ہی میں ہے جو اہلِ ایمان کی عظیم زیارت گاہ ہے جہاں لاکھوں انسان دنیا کے کونے کونے سے برائے زیارت تشریف لاتے ہیں اور مثاب ہوتے ہیں۔

عمومی خیال کے مطابق آپ کا مرقدِ مطہر شام (دمشق) میں ہے۔

جب سالارِ قافلہ زینب صلواۃ اللہ علیہا کربلا سے کوفہ، کوفہ سے شام اور شام سے کربلا ہوتی ہوئی مدینہ پہنچیں تھیں تو جناب عبد اللہ مدینہ میں موجود تھے لیکن تھوڑے عرصہ بعد دمشق چلے گئے (تفصیل گذشتہ صفحات میں آچکی ہے) جہاں ان کا کاروبار تھا اور بیرونِ شہر ایک گاؤں راویہ میں زمین تھی۔ جناب عبداللہ نے زینب صلواۃ اللہ علیہا کو خط لکھا کہ وہ شام چلی آئیں۔ گرچہ حضرت زینب صلواۃ اللہ علیہا کا شام جانا جہاں ان

کو بے انتہا مصائب اٹھانا پڑے تھے ، نہایت شاق تھا لیکن شوہر کے حکم کو مدِّنظر رکھتے ہوئے دمشق کے لئے روانہ ہوئیں ، لیکن دمشق میں داخل ہونے سے پہلے ہی مقام ''راویہ'' بیرون شہرِ دمشق ، اپنی زمین تک پہنچی ہی تھیں کہ شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی مالک حقیقی سے جاملیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَا جِعُوْنَ ۔

اُس دمشق میں زینب صلواۃ اللہ علیہا کیسے قیام فرما سکتی تھیں جہاں از حد درد ناک اور کربناک مصائب سے گزر چکی تھیں۔ دمشق پہنچتے ہی تمام حادثات آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے ہوں گے اور سارے زخم تازہ ہوگئے ہوں گے۔ دریائے فرات کا آنکھوں کے سامنے بہنا ، سارے کنبہ کا تین شب و روز پیاسے رہنا ، ننھے ننھے بچوں کا ایک بوند پانی کے لئے ترسنا ، خیموں کا لٹنا اور ان میں آگ لگنا ، عورتوں کی بے ردائی اور بادیہ پیمائی ، بھائی ، بیٹے اور بھتیجوں کا میدان کربلا میں بھوکے پیاسے شہید ہونا، چھ مہینے کے شیر خوار بچّہ کا ایک بے رحم حرملہ کا تیر کھا کر امام حسینؑ کے ہاتھوں پر مرغ بسمل کی طرح تڑپنا ، معصوم کے حلق سے خون کا فوارّہ جاری ہونا ، امام عالی مقام کا بچّہ کو دفن کرنا اور پھر خود امامؑ کا میدان کارزار میں ذلیل ترین دشمن کے ہاتھوں سر پاک کا جسم سے جدا ہونا سب کچھ یاد آیا ہوگا بایں ہمہ راضی برضا رہنا اور مقصدِ رسالت پورا کرنا صرف اہلِ بیتؑ رسولِ مقبولؐ کا کام تھا۔

بہر حال تمام واقعات اور تاریخی بیانات کی روشنی میں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مصیبتوں اور دکھوں نے سیّدہ زینب صلواۃ اللہ علیہا کا سکون لوٹ لیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نواسی واقعۂ کربلا کے بعد زیادہ دیر زندہ نہ رہیں بلکہ ۱۷ ماہ کی قلیل مدّت میں ۱۴/۱۵ رجب ۶۲ھ کو اس دارِفانی سے کوچ کر گئیں اور خالقِ حقیقی سے جاملیں۔ عالمِ برزخ میں نانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور نواسی نے ایک دوسرے کو پُرسہ دیا ہو گا۔ نانا نے نواسی کو گلے لگایا ہوگا۔

یوں تو میں دمشق بار بار گیا ہوں لیکن ۱۹۹۴ء کا زیارتی سفر یادگار سفر ہے۔ اس سفر کے بعد میں نے سفر نامہ ''حدیثِ عشق'' لکھا جس کی چند تصاویر پیشِ خدمت ہیں۔

تمام واقعات کو پڑھنے کے بعد یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک بندوں کا کبھی کبھی امتحان☆ لیتا اور ظالموں کو ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ ظلم کی انتہا کرلیں۔ اس کے بعد محبوب بندوں کو اجرِ

☆ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِھِمْ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ لِیَزْدَادُوْآ اِثْمًا وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ۔

اور کافر لوگ یہ گمان نہ کریں کہ ہم انہیں جو ڈھیل دے رہے ہیں وہ ان کے لئے بہتر ہے۔ہم تو انہیں صرف اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں تاکہ یہ لوگ اپنے گناہوں میں اور اضافہ کرلیں ، آخرکار ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا۔ (سورۃ آل عمران ۳، آیت ۱۷۸)

عظیم عطا فرماتا ہے اور ظالموں کو جرم کی سخت سزا دیتا ہے۔

اس کتاب کے لکھنے اور حوالوں کو پڑھنے کے دوران مجھ پر کیا بیتی اور میں کن کن کربناک کیفیات سے گزرا بیان نہیں کر سکتا لیکن روزِ عاشور کے مصائب پڑھنے اور شامِ غریباں کے واقعات لکھنے کے دوران میں بار بار محسوس کرتا رہا گویا وقت کی طنابیں سمٹ گئی ہیں اور میں وقت اور جہت کی قید☆ سے آزاد ہو کر ۳۰/ جون ۲۰۰۳ء مطابق ۲۹ ربیع الثّانی ۱۴۲۴ھ سے نکل کر دس محرّم ۶۱ھ میدانِ کربلا پہنچ گیا ہوں۔ میری نگاہ جہت کی قید سے آزاد ہو گئی، جدھر چاہوں بغیر آنکھیں پھیرے اور سر ہلائے دیکھ سکتا ہوں۔ میں نے جو کچھ دیکھا بیان کیے دیتا ہوں، ہو سکے تو آپ بھی دیکھئے۔

یومِ عاشور عصر کا وقت گزر چکا ہے۔ میدانِ کارزار خاموش ہے۔ چاروں طرف ''ہو'' کا عالم ہے۔ ہاں! ایک طرف خوشی کے شادیانے بج رہے ہیں تو دوسری طرف جلے ہوئے خیمے ہیں جن کے باہر عترتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بے سر و سامانی کے عالم میں اپنے اعزّہ و اقرباء کی جدائی پر نوحہ کناں ہیں۔ رسولؐ زادیوں کی ردائیں چھنیں، نبیؐ مرسل

☆ می شود پردۂ چشم پرِ کاہے گاہے
دیدہ ام ہر دو جہاں را بہ نگاہے گاہے
کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میری آنکھ کا پردہ گھاس کی پتی کی طرح ہوتا ہے اور میں دنیا عقبیٰ کو ایک خاص نظر سے دیکھتا ہوں۔

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بہو بیٹیاں ننگے سر ہوئیں کہ آفتابِ عالم تاب نے اپنا چہرہ شامِ غریباں کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں چھپا لیا۔ وہ شام جس میں شبِ عاشور کی عبادات ختم ہو چکیں، وہ شام جس میں حسینؑ اپنے وعدۂ طفلی کو ایفا کر چکے، وہ شام جس میں شمعِ امامت کے جاں نثار ۷۲/۷۳ پروانے ریگِ گرم پر اپنے سر کٹا چکے اور تپتے ریگ زار پر بکھرے پڑے ہوئے ہیں، وہ شام جس میں حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جو خاک حضرت اُمِ سلمہؓ کو دی تھی سرخ ہو گئی۔ وہ شام جس میں یزیدی فوج خوشیاں منانے میں بے خود تھی، وہ شام جس میں اہلِ بیت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بے والی و بے وارث ہو چکے تھے، وہ شام جس میں اہلِ حرم سر برہنہ اور بے چادر تھے، وہ شام کہ نہ قاسم، نہ علی اکبر، نہ عبّاس، نہ شش ماہہ علی اصغر، نہ عون اور نہ محمّد ہیں۔ بخدا! میں اس وقت ایسا محسوس کر رہا تھا کہ میں کربلا کے میدان میں موجود ہوں اور سب کچھ اپنی گنہگار آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور مجھ پر بے خودی کا عالم ہے۔ کاش میں اس دن حقیقتاً موجود ہوتا اور اپنی جان راہِ حق میں قربان کر دیتا۔

مجھے کبھی کبھی سخت حیرت ہوتی ہے اور دل گرفتہ ہوتا ہوں جب صاحبانِ محراب و منبر یہ واقعات بیان فرماتے ہیں اکثر خود متاثر نظر نہیں آتے لیکن سامعین کو متاثر کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے حضرات کی تقریر میں

یوں تو بہت کچھ ہوتا ہے ، جوش ہوتا ہے ، جذبہ ہوتا ہے ، خطابت ہوتی ہے، نعرے ہوتے ہیں ، یہ سب کچھ ہوتا ہے لیکن اثر نہیں ہوتا کیونکہ میں سمجھتا ہوں تقریر ہونٹوں سے ادا (Deliver) کی جاتی ہے ان میں ان کا دل شامل نہیں ہوتا۔ دل شامل نہ ہو اور خلوصِ نیت نہ ہو تو اثر کہاں سے ہو۔ کاش خطباء اس امر کا احساس کریں اور خطابت کو اصلاحِ حال اور تبلیغِ دین کے لئے استعمال کریں ، حصولِ نام و نمود اور دنیاوی افادہ سے پرہیز کریں۔ تقریر ہو یا تحریر پُر اثر وہی ہوتی ہے جو دل سے نکلتی ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں ، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

شہدائے کربلا کی یاد منانا نیک عمل ہے اسے قائم☆ رہنا چاہیئے ، تاکہ ملتِ اسلام واقعات فراموش نہ کر بیٹھے لیکن ہر حال میں ہر لحہ ''مقصدِ حسینؑ'' پیشِ نظر رہے۔ مظلومِ کربلا ، بیمارِ کربلا اور اسیرانِ کربلا نے

☆ قرآن مجید نے بھی تاریخ کو بہت اہمیت دی ہے:۔
وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْكُمْ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ
اور بے شک ہم نے تم لوگوں کی جانب کھلی ہوئی نشانیاں بھیجی ہیں اور مثالیں ان لوگوں کی جو تمھارے پہلے گزر گئے اور نصیحت پرہیز گاروں کے لئے۔ (سورۃ النور ۲۴، آیت ۳۴)

مولانائے روم نے فرمایا:

ہست قرآں حالہائے انبیاءؑ
ما ہیانِ بحرِ پاکِ کبریا

قرآن کیا ہے پیغمبروں کے حالات کا بیان اللہ تعالیٰ
کے پاکیزہ سمندر میں غوطہ زن مچھلیوں کا تذکرہ۔

کربلا اور کربلا کے بعد جس دینی جذبے سے قربانیاں دیں اور مصائب برداشت کئے ، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان مجلسوں میں دیانت اقتصاد ، اجتماع ،حمیّت ، احترامِ بشر ، حمایتِ مظلوم ، ظالمین سے نفرت ، استقامت اور ایثار و قربانی کی دولت تقسیم ہو۔ شہدائے کربلا اور اسیرانِ کربلا کی قربانیوں کا صحیح اعتراف یہی ہے کہ ان مجلسوں سے ذہنی تعمیر کا کام لیا جائے ہر قسم کے دکھاوے☆ سے پرہیز کیا جائے۔

میں مندرجہ بالا چند سطور مجبور ہو کر لکھ رہا ہوں ، خطباء اور مقررین سے معذرت خواہ ہوں ، علماء کرام اور دانشورانِ عظّام کی بات جدا ہے ان کا از حد احترام کرتا ہوں۔ ان حضرات کا تو ایک ایک لفظ دل نشین ہوتا ہے اور ان کے بیان سے علم و حلم کی روشنی نمایاں ہوتی ہے۔ کاش تمام صاحبانِ محراب و منبر خلوصِ نیّت سے خود عمل پیرا ہو جائیں تاکہ سامعین بھی متاثّر ہو کر اس طرف متوجّہ ہوں۔

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

خطاب تین اہم اصولوں پر مشتمل ہونا چاہیئے۔ پہلا یہ کہ حسینؑ ابن علیؑ اور اہلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے مودّت میں اضافہ ہو

☆ ممکن ہے کچھ حضرات کو ناگوار گزرے ، میں ان سے معذرت خواہ ہوں لیکن:
چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

اور احساس و جذبات کے بندھن کو مضبوط سے مضبوط تر کرے۔ دوسرے یہ کہ واقعاتِ کربلا کو نہایت واضح اور سلیس زبان میں باربط بیان کیا جائے تاکہ سامعین مستفیض اور مثاب ہوں۔ تیسرے یہ کہ معرفتِ دین میں اضافہ اور پختگی پیدا ہو اور سامعین نیک عمل پر راغب ہوں۔ تقریر میں بہر صورت روانی اور رواداری برتی جائے۔

نرمی سے مطیع ، سنگدل ہو تے ہیں
دندان ، صف بستہ ہیں زباں کے آگے

کبھی کبھی عام ذہنوں میں یہ بات ابھرتی ہے اور کچھ لوگ زبان تک لاتے بھی ہیں کہ ایک جابر و قاہر عظیم الشان حکومت جس کے حدود سندھ (ملتان) تک پہنچے ہوئے تھے امام عالی مقام ۷۲/۷۳ جانثاروں کے ساتھ مقابل ہوئے۔ یہ بھی درست کہ جابر حکومت نے پانی پر پہرہ بٹھایا تھا اور سارے راستے مسدود کر دیئے تھے یہاں تک کہ امام عالی مقام اپنے جان نثاروں کو نہ تو کھانا پہنچا سکے اور نہ پانی مہیّا کر سکے ، اس خیال کے لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ ایک طرف جابر حکومت شیطان کے غلبہ میں اور دنیاوی منفعت میں مبتلا تھی☆ تو دوسری طرف جان نثارانِ دینِ اسلام تھے جو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چل رہے تھے اور دین

☆ سب سے پہلا نمونہ جو یہ حادثہ عظیمہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے دعوت الی الحق اور حق و حرّیت کی راہ میں اپنے تئیں قربان کرنا ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار تھے۔ قربانیاں دیتے رہے ، صبر کرتے رہے اور صراطِ مستقیم پر چلتے رہے۔

اہلِ ایمان کو یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی دوستوں کو خاک

(پچھلے صفحہ کا بقیہ)

بنی امیہ کی حکومت ایک غیر شرعی حکومت تھی۔ کوئی حکومت جس کی بنیاد جبر و شخصی اقتدار پر ہو کبھی اسلامی حکومت نہیں ہوسکتی۔ انہوں نے اسلام کی روحِ حرّیت و جمہوریت کو غارت کیا اور مشورہ و اجتماعِ امت کی جگہ محض غلبۂ جابرانہ اور مکر و خدع پر اپنی شخصی حکومت کی بنیاد رکھی۔ ان کا نظامِ حکومت شریعتِ الٰہیہ نہ تھا۔ بلکہ محض اغراضِ نفسانیہ و مقاصدِ سیاسیہ ، ایسی حالت میں ضروری تھا کہ ظلم و جبر کے مقابلے کی ایک مثال قائم کی جاتی اور حق و حرّیت کی راہ میں جہاد کیا جاتا۔

حضرت سیّد الشہداء نے اپنی قربانیوں کی مثال قائم کرکے مظالمِ بنی امیّہ کے خلاف جہادِ حق کی بنیاد رکھی اور جس حکومت کی بنیاد ظلم و جبر پر تھی اس کی اطاعت و وفاداری سے انکار کر دیا۔

پس یہ نمونہ ہمیں سکھاتا ہے کہ ہر ظالمانہ و جابرانہ حکومت کا اعلانیہ مقابلہ کرو اور کسی ایسی حکومت سے اطاعتِ وفاداری کی بیعت نہ کرو جو خدا کی بخشی ہوئی انسانی حرّیت و حقوق کی غارت گر ہو اور جس کے احکامِ مستبدہ و جابراہ کی بنیاد صداقت و عدالت کی جگہ جبر و ظلم ہو۔

مقابلے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تمہارے پاس قوّت و شوکتِ مادّی کا تمام ساز و سامان بھی موجود ہو جو ظالموں کے پاس ہے کیونکہ حسینؑ ابن علیؓ کے ساتھ چند ضعیفوں اور نوجوان کی جمعیتِ قلیلہ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ حق و صداقت کی راہ نتائج کے فکر سے بے پروا ہے نتائج کا مرتّب کرنا تمہارا کام نہیں۔ یہ اس قوتِ قاہرۂ عادلۂ الٰہیہ کا کام ہے جو حق کو باوجود ضعف و فقدانِ انصار کے کامیاب و فتح مند کرتی اور ظلم کو باوجود جمعیت و عظمتِ دنیوی کے ذلیل و خوار کرتی ہے۔

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ۔

کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑی جماعتوں پر حکمِ الٰہی سے غالب آگئیں۔

(سورہ البقرہ ۲، آیت ۲۴۹)

(''شہادت حسینؑ''، مولانا ابوالکلام آزاد، ص ۷۱،۷۲)

و خون میں تڑپاتا اور دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔

یہی دینی جذبہ تھا جسے لئے ہوئے شہیدانِ کربلا نے سب کچھ یہاں تک کہ اپنی جانیں بھی قربان کر دیں اور اسیرانِ کربلا نے تمام مصائب برداشت کئے اور خوشنودیٔ باری تعالیٰ حاصل کی اور اسلام کو ہمیشہ کے لئے زندہ و تابندہ کر دیا ساتھ ہی ساتھ یزید کی دنیا پرستی اور اسلام دشمنی روزِ روشن کی طرح ثابت کردی۔ یہی مقصدِ حسینؑ تھا نہ کہ حصولِ اقتدار۔

مدعا لیش سلطنت بودے اگر

خود نہ کردے باچنیں سامان سفر

اگر ان کا (امام حسینؑ) کا مقصد حصولِ سلطنت ہوتا تو وہ اس طرح

(بے سر و سامانی کے ساتھ) سفر نہ فرماتے۔

(اقبالؒ)

قبل اس کے کہ کتابِ ختم کروں مزید چند سطور لکھنا چاہتا ہوں اور غور و فکر کا طالب ہوں۔

کتابِ زندگی

دنیا کا ہر فرد اپنی کتابِ زندگی لکھ رہا ہے۔ دوسروں کے احوال لکھے یا نہ لکھے اس کی اپنی کتابِ زندگی ہر روز لکھی جا رہی ہے۔ انسان کو شعور ہو یا نہ ہو ورقِ کتاب بڑھتے جا رہے ہیں۔ اس کتاب میں وہ سب کچھ لکھا جا رہا ہے جو آپ سوچتے ہیں، دیکھتے ہیں، سنتے ہیں اور کرتے ہیں

یا کرنے کی خواہش کرتے ہیں۔(۱) اس میں صرف وہی کچھ لکھا جا رہا ہے جو آپ کا عمل ہے یا سوچ ہے۔ کسی کو قطعاً اختیار نہیں کہ اس میں ایک شوشہ بھی بڑھا گھٹا سکے۔ اس کتاب کے مصنف تنہا آپ ہیں ہاں لکھتا کوئی اور ہے۔ آپ کے ہر عمل اور بے عملی کا اس میں کامل ذکر ہے۔ اسی کتاب کے حوالے سے عالمِ برزخ(۲) میں آپ رہیں گے اور یہی کتاب روزِ آخرت آپ کے اعمال کے لحاظ سے دائیں یا بائیں ہاتھ میں ہوگی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا

اور ہم نے ہر انسان کا نامہ اعمال اس کے گلے میں لٹکا رکھا ہے اور قیامت

(۱) اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

یقیناً اللہ سینوں کے اندر کی باتوں کا جاننے والا ہے۔

(سورۃ آلمائدہ ۵، آیت ۷)

(۲) حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۔"

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی ایک کے سر پر موت آکھڑی ہو تو وہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار مجھے پلٹا دو۔ شاید میں اب نیک اعمال کروں اس میں کہ جو میں چھوڑ آیا ہوں۔ ہرگز نہیں یہ ایک لفظ ہے جو بس وہ کہہ رہا ہے اور اُن کے آگے اب برزخ کا زمانہ ہے جب وہ جزا و سزا کے لئے اٹھائے جائیں گے۔

(سورہ المؤمنون ۲۳، آیت ۹۹، ۱۰۰)

کے دن ہم اس کے لئے ایک کتاب پیش کریں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا۔ پڑھ اپنی (کتابِ زندگی) اپنے نامۂ اعمال کا جائزہ لینے کے لئے تو خود کافی ہے۔ (سورہ بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۱۳، ۱۴)

فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیۡنِہٖ فَیَقُوۡلُ ہَآؤُمُ اقۡرَءُوۡا کِتٰبِیَہۡ

پس جس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے تو وہ (دوسروں سے) کہے گا: لو میرا نامۂ اعمال پڑھو۔☆ (سورہ الحاقہ ۶۹، آیت ۱۹)

وَ اَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِشِمَالِہٖ فَیَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِیۡ لَمۡ اُوۡتَ کِتٰبِیَہۡ

اور جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے تو وہ کہے گا: اے کاش! مجھے میرا نامۂ اعمال نہ دیا جاتا۔ (سورہ الحاقہ ۶۹، آیت ۲۵)

فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیۡنِہٖ۔ فَسَوۡفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیۡرًا

پس جس کا نامۂ اعمال اس کی دائیں طرف سے دیا جائے گا۔ اس سے عنقریب ہلکا حساب لیا جائے گا۔ (سورہ انشقاق ۸۴، آیت ۷، ۸)

وَ اَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ وَرَآءَ ظَہۡرِہٖ۔ فَسَوۡفَ یَدۡعُوۡا ثُبُوۡرًا۔ وَّ یَصۡلٰی سَعِیۡرًا

اور جس کا نامۂ اعمال اس کے پیچھے سے دیا جائے گا۔ پس وہ موت کو پکارے گا اور وہ جہنم میں جھلسے گا۔ (سورہ انشقاق ۸۴، آیت ۱۰ تا ۱۲)

اب میں اس کتاب کو ان دعاؤں کے ساتھ ختم کرتا ہوں:

اَللّٰھُمَّ اَحۡسَنۡ عَاقِبَتِنَا فِی الۡاُمُوۡرِ کُلِّھَا وَ اَجِرۡنَا مِنۡ حِزۡیِ الدُّنۡیَا وَ عَذَابِ الۡاٰخِرَۃِ۔

اے اللہ! تو ہمارے ہر کام کا انجام بہتر فرما اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے پناہ دے۔

☆ مزید تفصیل کے لئے قرآن مجید (سورہ الحاقہ ۶۹، آیت ۱۹ تا ۳۷) میں ملاحظہ فرمائیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسۡئَلُکَ الۡعَفۡوَ وَالۡعَافِیَۃَ۔

اے اللہ! میں تجھ سے معافی اور صحت و عافیت طلب کرتا ہوں "تو عطا فرما دے"۔

الانسان مع الخطاء۔ میری کوتاہیوں سے صرفِ نظر فرمائیے اور ہوسکے تو دعائے خیر میں یاد رکھیے۔ میں بہرحال اپنی کوتاہیوں کی نشاندھی کے لئے چشم براہ رہوں گا۔

جس دل میں درد مندیٔ انساں ہو، اس کی خیر
جس سر میں سب کی خیر ہو، اس سر کی خیر ہو

وَمَا تو فیقی الّا بااللّٰہ

احقر
سیّد علی اکبر رضوی عفی عنہ

کتابیات

(حضرتِ زینبؑ)

(۱) قرآنِ مجید

(۲) احادیثِ رسولؐ

(۳) کربلا کی شیردل خاتون (بطلۃ الکربلا)، ڈاکٹر عائشہ بنتِ شطی مصری۔

(۴) سیدہ کی بیٹی ، رازق الخیری

(۵) دائرۂ معارفِ اسلامیہ ، دانشگاہِ پنجاب ، لاہور

(۶) علیؑ کی بیٹی، ڈاکٹر علی قائمی

(۷) زینب زینب ہے، م ۔ صادق

(۸) صحیفۂ کربلا، حجۃ الاسلام علی نظری منفرد

(۹) کربلا اور کربلا کے بعد ، ارتضٰی نوازپوری

(۱۰) مقتلِ ابی مخنف (خروجِ مختار)

(۱۱) فلسفۂ شہادتِ حضرتِ امامِ حسینؑ ، پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

(۱۲) تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی، پروگریسو بکس ، لاہور

(۱۳) انقلابِ کربلا میں خواتین کا کردار ، راضیہ بتول نجفی

(۱۴) تاریخ طبری

(۱۵) شہادتِ امام حسینؑ، مولانا ابوالکلام آزاد

(۱۶) ثانیِ زہرا، مولوی محمد صادق

(۱۷) حدیثِ عشق، سید علی اکبر رضوی۔

ان کے علاوہ دیگر کتب و رسائل اور کتبِ احادیث سے استفادہ کیا گیا۔

چہرہ نما

نام الحاج سیّد علی اکبر رضوی۔

والد کا نام سیّد محمود اشرف رضوی مرحوم۔

سنہ ومقام پیدائش ۱۹۲۴ء ، برسرائمہ۔
اعظم گڑھ (یو۔پی) ، بھارت۔

اولادیں پانچ بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں۔ بیٹیوں کے نام یہ ہیں: شاہدہ رضوی، نرگس رضوی ، برجیس رضوی ، فرزانہ رضوی اور رضوانہ رضوی۔
بیٹوں کے نام یہ ہیں: ہادی علی رضوی ، مہدی علی رضوی اور محسن علی رضوی۔

تعلیم لاگریجویشن ، ۱۹۴۳ء۔

ملازمت ۱۹۴۴ء میں حکومتِ ہند کی ملازمت اختیار کی۔ پہلی پوسٹنگ کلکتہ میں ہوئی ، ایک سال بعد دہلی تبادلہ ہوگیا۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے لئے تبادلہ کرا لیا۔ ۱۹۴۹ء میں مستعفی ہوئے۔

تجارت ۱۹۵۰ء میں پاک کارپٹ انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ (PAK CARPET INDUSTRIES(PVT.)LTD.) کے نام سے پاکستان کا پہلا قالین سازی کا کارخانہ قائم کیا اور بابائے کارپٹ کہلائے۔
○ ۱۹۵۰ء میں برآمدات کا آغاز کیا اور پہلی کھیپ برطانیہ کے مشہورِ عالم و کثیر الانواع مرکزِ فروخت سلفریجز لمیٹڈ (SULFRIDGES LTD) کو فروخت کی۔
○ ۱۹۵۸ء میں اس کی شاخ راولپنڈی میں قائم کی۔

o ۱۹۶۰ء میں حج سے مشرف ہوئے اور زیاراتِ مقاماتِ مقدسہ ایران و عراق کی سعادت حاصل کی۔

o اسی سال صدارتی اعزاز برائے برآمداتِ قالین EXPORT PERFORMANCE AWARD FOR CARPET حاصل کیا۔

o متعدد بار کبھی تنہا اور کبھی تجارتی وفود کے ہمراہ قالین کی برآمدات کے لیئے دنیا بھر کی سیاحت کی۔ بار بار یورپ، امریکہ، کینیڈا اور آسٹریلیا وغیرہ میں منعقد ہونے والی تجارتی و صنعتی نمائشوں میں شریک ہوئے۔

o ۱۹۸۰ء میں مشینی قالین سازی کا آغاز کیا اور یونیک فیبرکس (پرائیویٹ) لمیٹڈ (U-NIK FABRICS (PVT.)LTD) کے نام سے ایک اور کارخانہ قائم کیا۔

o ۱۹۸۳ء میں اونی مشینی قالین سازی کی صنعت کا آغاز کیا اور بانڈڈ کارپٹس (پرائیویٹ) لمیٹڈ (BONDED CARPETS (PVT.) LTD.) قائم کیا۔

o ۱۹۸۶ء میں اونی دھاگہ کی صنعت کی بنیاد رکھی۔

o کل پاکستان قالین سازی اور متعلقہ صنعتوں کی انجمن ALL PAKISTAN CARPET & ALLIED INDUSTRIES کے بانی صدر ہیں۔

دیگر مشاغل

o مینجنگ ٹرسٹی، فلاح المومنین ٹرسٹ، کراچی

o ٹرسٹی، بلال ایجوکیشن ٹرسٹ، کراچی۔

o بانی صدر، ادارۂ ترویجِ علومِ اسلامیہ، کراچی۔

o بانی صدر، مرکزِ حقوقِ شریعت (رجسٹرڈ)، کراچی۔

o دوامی رکن، انجمنِ وظیفۂ سادات و مومنین، پاکستان۔

o ٹرسٹی، شاہِ نجف ٹرسٹ، مارٹن روڈ، کراچی۔

o چیئرمین بورڈ آف ٹرسٹیز، اکبر پبلک اسکول، کراچی
(فروغِ علم کے لیے اس اسکول کا جدید عمارت میں ۳ ستمبر

۲۰۰۲ء کو افتتاح ہوا۔)

o بانی صدر، سبزوار کوآپریٹو سوسائٹی لمیٹڈ، کراچی۔
(اس ہاؤسنگ سوسائٹی کی تمام زمینیں ممبروں میں تقسیم کر دیں اور اپنے لیئے کوئی قطعۂ اراضی نہ رکھا۔)

o مطالعہ کے ذوق کی بناء پہ ایک نادر ذاتی کتب خانہ کے مالک ہیں۔

تصانیف

(۱) کوہِ قاف کے اِس پار (اشاعتِ اول ۱۹۹۳ء، اشاعتِ ثانی ۱۹۹۹ء)

(۲) سرزمینِ انقلاب (۱۹۹۵ء)

(۳) ارضِ جلال و جمال (۱۹۹۲ء)

(۴) حدیثِ عشق (۱۹۹۹ء)

(۵) بھارت میں چار ہفتے (۲۰۰۰ء)

(۶) بھارت یاترا (۲۰۰۱ء)

(۷) تاریخِ اسلام کا سفر حصۂ اول (حضرت آدمؑ سے حضرت خاتمؐ تک) (۲۰۰۳ء)

(۸) کتاب ''نبیؐ کی نواسی حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا'' قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش ہے۔

(۹) شہیدِ اعظم حسین علیہ السلام (طباعت کے مرحلے میں)

''تاریخِ اسلام کا سفر'' کی دوسری اور تیسری جلد پر کام ہو رہا ہے۔ یہ جلد از جلد طباعت سے آراستہ ہوں گی۔ انشاء اللہ

مرتب: حسین انجم

مصنف کی دیگر تصانیف

کوہِ قاف کے اس پار: رنگین تصاویر سے آراستہ ☆ دلچسپ و حیرت انگیز واقعات سے مملو ☆ ۱۳۸ صفحات پر مشتمل
قیمت : ۱۵۰ روپے

سرزمین انقلاب: ایران کے مقدس اور معروف مقامات کی ۱۳۱ رنگین تصاویر ☆ ۲۲۶ صفحات ☆ نفیس کاغذ
قیمت : ۲۰۰ روپے

ارضِ جلال و جمال: رواں ، سادہ ، دلچسپ اور دلنشین اندازِ بیان مقاماتِ مقدسہ کی ۸۰ رنگین تصاویر ☆ ۳۱۲ صفحات پر مشتمل ☆ نفیس کاغذ ☆ قیمت : ۳۰۰ روپے

حدیث عشق: رضوی صاحب کا چوتھا سفرنامہ ☆ ۷۰ رنگین تصاویر سے مزین ☆ ۲۶۲ صفحات پر مشتمل ☆ قیمت: ۲۵۰ روپے

بھارت میں چار ھفتے: لکھنؤ ، بنارس ، اعظم گڑھ ، علی گڑھ ، کلکتہ اور دہلی کے سفر کی نہایت دلچسپ داستان ☆ رنگین تصاویر سے آراستہ ☆ ۲۶۲ صفحات ☆ قیمت: ۳۰۰ روپے

بھارت یاترا: کلکتہ، لکھنؤ اور علی گڑھ کا سفرِ دلپذیر ☆ ۶۳ رنگین تصاویر سے آراستہ ☆ ۱۶۸ صفحات پر مشتمل
قیمت : ۱۵۰ روپے

مقالاتِ قدرت نقوی: قدرت نقوی کے غیر مطبوعہ مضامین کا مجموعہ صفحات: ۲۰۵ ☆ نادر و نایاب موضوعات
قیمت: ۱۵۰ روپے

تاریخِ اسلام کا سفر: ۷۴ رنگین تصاویر ☆ صفحات : ۶۷۰
(حضرتِ آدمؑ سے حضرتِ خاتمؐ تک)　قیمت : ۶۵۰ روپے

نبی کی نواسی: ۸ رنگین تصاویر ☆ صفحات : ۲۱۶
حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا　قیمت : ۱۷۵ روپے

شہید اعظم امام حسینؑ: زیرِ طباعت